تحقید

جلد04شمارہ02،دسمبر 2023

لسانیات نظری و اطلاقی مباحث، (اردو کے تناظر میں)

Discussions of Theoretical and Applied Linguistics

ڈاکٹر محمد عمران ازفر[1]،ڈاکٹر عاصمہ رانی[2]

[1] لیکچرار، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا، [2]اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، بہاولپور

Dr. Muhammad Imran Azfar[1], Dr. Asma Rani[2]

[1] Lecturer, Dept of Urdu, University of Sargodha, Sargodha

[2] Assistant Professor, Dept of Urdu, Government Sadiq College Women University, Bahawalpur

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT:

From the last hundred year's discourse of language and literature in respect of meaning Epistemology rather the Classical concept of meaning and relativity is being retired.Before the beginning of modern debate of linguistics, Language becomes a collection of prescriptive points and Socio-political concept about the structure of language and lingual paradigms. Major part of traditional language and grammar is prescriptive but the fundamental debate of this era which called modern linguistics is descriptive. This is the main difference between classical language traditional grammar and modern linguistics. Modern linguistics refers to the scientific study of language and its structure that should beverified via scientific methodology. Modern linguistics introduces the study of some major features of language such as Phonemes, Phonetics, grammar, syntax and semantics. But in our point of view modern linguistics has two basic scales, First one is Phonemes, Comparative linguistics with Historical and Oriental analysis and the second one about all other scientific features like Phonetics, lexicon, Grammar, Syntax, Semantics and all other aspects of modern linguistics, which regards language is a system and grammar is only considered as a systamatic description of a certain language, either oral or written Lingustics. Term linguistics refers to the scientific study of language and its structure. In this particular regards, modern linguistics only considered as a systematic description of a certain language, either oral or written.

This article deals in first step is with the discussion about the different ideas or theory about Linguistics. In Second phase the practical formation of language and Lingustics took place by the reference of Prominent Lingustics and than it discusses the era of Urdu linguistics

spanned over post-independence period particularly in Pakistan. The study of Urdu linguistics present new angl -es and new point of debates. After the indepen -dence of country Applied linguistics and stylis -tics got emphasis and structural analysis of urd -u language have more text.The study of language in its religio-socio cultural perspective beca -me the topic of Urdu language. Phonology and grammar became the other important topics of research in last fifty years and it occurs due to structural and post structural popular debates by Gopi Chand Narang, Shams u Rehman Farooqi with other companions.This article analyses the different approaches about language and Lingustics. Primary Sources are some English Books like "what is Lingustics" by David crystal, "An introduction of linguistics" by George Yul. Amomi Lisaniat by Dr Abdul Salam, Alfaz Shanasi by Khalil Sideeqi and "Lisani Muta'aly" by Gian Chand Jain. Some other Sources that are written in Bibliography.

KEYWORDS: Lingustics, Descriptive Linguistics Comparative linguistics, Historical Lingustics, Phonetics, Phonology philology, Prosodic, Distinctive, Air Pressure, Organ's of speech

لسانیات کی سادہ سی تعریف کسی بھی زبان کا مطالعہ اس کی اصوات کو بنیاد بنا کر کرنا ہے یعنی لسانیاتی مطالعات میں لفظ ادائی کے انسانی قدرتی نظام اور اس کے اطراف پنپتی فطری اور سماجی ثقافتیت کی بنیاد پر زبان کے آغاز ارتقاء ترقی تنزلی کے متفرق مظاہر کا مطالعہ کرنا ہے۔اس عمل میں حرف کی تاریخ، لفظ کی تاریخی ادائی یا اشکال، الفاظ کی باہمی ترتیب، لفظوں سے بنتے، ترک ہورے مرکبات کی لسانیاتی توجیہات کو سائنسی اصولوں پر جانچا جاتا ہے۔یہی وہ مرکزی نکتہ ہے جس کی بنیاد پر لسانیات کو دیگر ادبی موضوعات کے برعکس سائنسی موضوع کہا جاتا ہے کہ اس میں مشاہدے، تجربے کی صداقت کو سائنسی اصولوں کی بنیاد پر جانچا جا سکتا ہے جس کے نتائج مجازی اور باہم متغیر نہیں بلکہ ایک سے اور اپنے مخصوص سیاق وسباق کے مطابق ہونگے۔

گذشتہ صدی سے زیادہ عرصہ نے انسان کے علمی ڈسکورس میں کئی طرح کے نئے خیالات کو شامل کیا ہے۔اور پہلے سے موجود منطقی، علمی، اخلاقی، مذہبی تصورات کو رد کر کے نئی منطقی تنظیم سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔عام رائے میں بیسویں صدی کو انقلاب کی صدی قرار دیا جاتا ہے۔جس کی بنیاد مشین کی ایجاد، دو عظیم جنگوں کے انسانی ذہن پر اثرات اور سارتر کے وجودی نظریات پر رکھی جاتی ہے۔لیکن مشین تو بیسویں صدی سے بہت پہلے ایجاد ہو چکی تھی۔بندوقی مسالہ(Gun Powder)سمیت کتنی ساری اشیاء، جنہیں انسانی

ہنر اور علوم کی ترقی سے وابستہ کیا جاتا ہے۔ بیش تر بیسویں صدی سے پہلے انسانی معاشرے اور زندگی میں شامل ہو چکی تھیں۔ بیسویں صدی اپنی داخلی حقیقت میں ڈھائی ہزار سالہ علم و فلسفے اور سماجی نظام زندگی کی تردید کے باعث بے ترتیب اور پیچیدہ زمانی وقفہ ہے۔

جس کی بنیاد مذاہب کی بین الاقوامی جدلیات، روم کے معبدوں سے متعلق رائج عیسائی اور یہودی تصورات کی شکست، صلیبی جنگوں کی عصبیت اور قسطنطنیہ پر قائم ہزار سالہ تسلط کے زوال سے منسلک ہے۔ جدیدیت اپنے آپ میں ایک آزاد اور نسبتاً منہ زور نظریہ حیات ہے۔ جس کا جدت سے کوئی تعلق نہیں کہ جدت کے معنی ندرت کے ہیں جو ادبی، سیاسی، سماجی مذہبی روایت کے ارتقاء میں خاص رد و تائید کے ڈسکورس میں جاری رہتا ہے۔ اس کے برعکس جدیدیت کی بنیاد میں موجود کی تمام صورتوں پر اعتراض اور بے یقینی کو برتر ظاہر کرنے میں پنہاں ہے۔ اس نے اجتماعیت پر انفرادیت کو، مثبت پر منفی کو، عقل پر دیوانگی کو، معنی پر لایعنیت کو، فہم پر جہالت کو، انسان پر مشین کو اور خدا پر یقین کو تشکیک کی کھاد جوان کرنے کی سعی کی ہے۔ جدید سرمایہ دارانہ نظام کے تحت تخلیق کردہ انسان کو مقدم ثابت کرنے کی اس کوشش نے ہر طرح کے آدرشوں اور انسان مرکز فکریات پر سرمائے اور دولت کو برتر ثابت کرنے کی منہ زور کوشش کی ہے۔ یہی زمانہ دنیا میں مارکسی، مذہبی مثالیت کی تردید جبکہ سرمایہ داری کی تائید پر مرکوز ہے۔ اسی رد و تائید میں انسانی افکار نے ایک طرف سماج اور معاشرے کی فلاح کے لیے کئی صدیوں پر محیط فلسفیانہ جہد کی بنیاد رکھی۔ تو دوسری نئی بنتی صورت میں وہ لفظ کے معنی کی بجائے اس کے ساختے کو اور اس کی ادائی میں شامل مختلف فطری اور اکتسابی ذرائع کو اہمیت دینے لگا ہے۔ گو ان مباحث کی انسانی زندگی میں وہ اہمیت نہ ہے۔ جو افلاطون کی مثالی جمہوریہ کے تصور سے ایذرا پاونڈ تک متوسط طبقے کی زندگی کی بہتری پر مامور ہے۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام کے پیروکار انسانی بقا کے نظام میں مادہ اور عقل کی طاقت وری کو جو خصوصیت دینے پر مصر ہیں۔ اس کے لیے ایک اہم پہلو لفظ اور اس سے جڑے سائنسی افعال کے منطقی تفہیمی سروکار ہیں۔ لسانیات بطور علم اسی نوعیت کی فکری اور فلسفیانہ اہمیت کا حامل ہے۔ نہ اس کا واسطہ انسانی سماج کی متفرق شعوری، عقلی، معاشی، ثقافتی پہنائیوں سے براہ راست بنتا ہے اور نہ ہی یہ انسانی فلاح کے اس روایتی تصور کے اتباع میں ہے۔ جس کی تگ و دو روائتی فلسفہ اور سماجی علوم کرتے رہے ہیں اور کرتے آرہے ہیں۔ جن میں انسانی زندگی کی بہتری اور بلند معیار زندگی ہی فلسفی کا مطمع نظر رہا ہے۔

انسان کی عملی زندگی میں پیام کی ایک نشان سے دوسرے نشان تک ترسیل میں آواز / صوت زیادہ تر مواقع پر سماعت کا حصہ بنتی ہے۔ لیکن یہ صوتی وجود تنہا نہیں ہو سکتا بلکہ کچھ مزید آوازوں کے ساتھ مربوط ہو کر ابلاغی اور سماجی خوبی حاصل کرتا ہے۔ یہ بھی سچائی ہے کہ انسانی معاشرتی حیات میں زندگی کے مختلف شعبہ جات کے مابین آواز اور اصوات میں مماثلت کا امکان موجود رہتا ہے۔ کہ ان صوتی ٹکڑوں کی اساس اُس ابلاغی اور تلفیظی نظام پر انحصار کرتی ہے۔ جس کے تحت ایک فرد اپنی زندگی کے کئی مراحل سے گذرتے ہوئے، ان

آوازوں کی ادائی، شناخت اور ان سے حاصل ہونے والے پیغام سے جان کاری کا رشتہ استوار کرتا ہے۔ لیکن اس کے دیگر اجزاء جیسے لب ولہجہ، الفاظ کی ادائی کے دوران جسمانی اعضا کا تحرک، آلات صوت میں ارتعاش، اکہرے، دہرے، سہ پہلو، غنائی سمیت کئی طرح کے الفاظ کی ادائی کے مراحل، اور ایسی دیگر صورتیں درجہ بہ درجہ مختلف ہوتی جاتی ہیں۔ شاعری، سائنس، طب، طبعیات، کیمیا وغیرہ سمیت سائنسی اور ادبی زبان میں لب ولہجے اور حرکات وسکنات کا یہ نظام یکسر بدل جاتا ہے۔ تکلم کے عمل سے انسان کچھ مفید نتائج کشید کرنے کے لیے جُڑتا ہے۔ جیسے ابلاغ، تفہیم، تشریح، وضاحت وغیرہ لیکن اس سب کے ساتھ یہ ایک ذہنی اور جسمانی سرگرمی ہے۔ جس میں انسانی وجود کے مخصوص حصے اپنی اپنی سطح پر کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی عضو اپنے حصے کا کام نہ کرے تو الفاظ کی تشکیل اور ادائی کا عمل متاثر ہو جاتا/ سکتا ہے۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں ایسے افراد سے ملتے ہیں۔ جو کسی بیماری، معذوری، یہاں تک کہ دانت، داڑھ، گلے کی تکلیف یا ایسی کسی اور دقت کے سبب سے بولنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان عضلاتِ صوت کے درست اور مکمل کام کرنے پر انسان آواز پیدا کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

ہمارا یہ مقالہ اسی نوعیت کی اہمیت کو مفروضہ بناتے ہوئے لسانیاتی عمل کے بنیادی مباحث اور اس کے اردو میں موجود امکانات کو کھوجنے پر استوار ہے۔ آج لسانیات کے دائرہ علم میں تحریری اور تقریری، بولی اور زبان سمیت دنیا کی سب چھوٹی بڑی آوازیں شامل ہیں۔ اس علم کے ابتدائی زمانے میں بولی ہوئی زبان کو لسانیاتی تحقیقات کا مرکز بنایا جاتا تھا۔ ان بولی ہوئی زبانوں کا رسم الخط نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لفظ تشکیلی مراحل کو زیادہ توجہ اور گہرائی سے سمجھا جا سکتا تھا۔ اپنی اساس میں لسانیات بولی ہوئی زبان کو تحقیقی عمل کا حصہ بناتی ہے اور زبان، جس کا طے شدہ رسم الخط اور دیگر رسمیات ہوں، لسانیاتی تحقیقات کے دائرہ کار میں شامل نہیں کیے جاتے تھے۔ مگر وقت کے ساتھ اس رجحان میں تبدیلی آتی گئی اور آج بولی اور لکھی یعنی تلفیظی اور مکتوبی ہر دو زبانوں کا مطالعہ لسانیات کے دائرہ کار میں شامل ہے۔

ہمارا مقالہ لسانیات کے معنی ومفہوم کی حدود کے تعین میں نمائندہ اردو اور مغربی ناقدین کی رائے سے استفادہ کرے گا۔ جبکہ اطلاقی پہلوؤں سے اردو زبان کے لسانیاتی پہلو کا بالخصوص تجزیہ کیا جائے گا (مغربی ناقدین نے لسانیاتی تحقیقات کے مضامین کو انگریزی زبان کو مدنظر رکھ کر بیان کیا ہے۔ جس کی وجہ سے یہ سب مطالعات انگریزی لسانیاتی تحقیقات پر مشتمل ہوتے ہیں)۔ مفروضے کی تسہیل کے عمل میں کوشش یہ ہوگی کہ تجزیہ بالترتیب سلسلہ وار آگے بڑھایا جائے۔ پہلے مرحلے میں لسانیات کے معنی ومفہوم کا تعین ہو۔ اس کے بنیادی اجزاء کی حد بندی کی جائے اور پھر دوسرے مرحلے میں اردو زبان میں جاری لسانیاتی ڈسکورس کو پیش کرنے کے علاوہ لسانیات سے پیوست نمایاں مکاتیب فکر کا اطلاق اردو کے تخلیقی متون پر کیا جائے۔ چونکہ فی زمانہ اردو لسانیات کے سروکار ساختی مباحث سے آگے نہیں بڑھ پائے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ساختی لسانیات کے ساتھ دیگر لسانی عوامل پر بھی توجہ مرکوز کی جائے اور طالب علموں کو وضاحت سے

بتایا جائے کہ ساختیات / ساختی لسانیات ایک جزو ہے۔ جس کا تعلق جدید لسانیات کے ساتھ ہے (جدید لسانیات سے مراد جدیدیت کے وہ مخصوص افکار ہیں جو ایک Cult کی صورت میں قبول کیے گئے)۔اس کے علاوہ بھی لسانیات کے متنوع پہلو ہیں۔ جن کا اطلاق تحریر اور تقریر میں مختلف مقامات پر کیا جاسکتا ہے۔اپنے موضوع پر اس مجموعی کلام سے کشید کیے گئے نتائج کو اردو زبان و ادب کا حصہ بنایا جائے گا۔ تاکہ لسانیات کے متفرق پہلوؤں کا اطلاق اردو بولی، زبان اور ادب پر ممکن بنایا جائے۔اردو میں لسانیاتی تنقید کا مبحث گزشتہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔ مگر شومئ قسمت کہ ہم نے اس سارے عرصے میں مکھی پر مکھی مارنے اور پہلے سے موجود انگریزی مضامین کو سوائے اردو میں ڈھالنے کے اور کچھ نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے اردو زبان اور ادب معاصر علمی مباحث اور اطلاقی پہلوؤں سے خاصا پیچھے ہے بلکہ یہاں تک بھی معاملہ سمجھ میں آتا ہے۔ہمارے ہاں تو جدیدیت سے پیوست بیشتر موضوعات کی تفہیم و تشریح کے حوالے سے ابہام اور پیچیدگی راسخ ہو چکی ہے۔ آج شدید ضرورت ہے کہ جدید لسانیاتی اور جدیدیت سے پیوست دیگر مباحث کو اِن کی بنیاد کھود کر سامنے لایا جائے۔ تاکہ اردو خاندان اور مصنف خود فیصلہ کرے کہ اس نے کس طرف جانا ہے اور کس نوعیت پر تحقیق و تجزیہ کی دنیا آباد کرنی ہے۔

کسی بھی تکلمی زبان کا ایسا سائنسی، معروضی، منظم اور تشریحی، تاریخی مطالعہ، جس کی تجربی صداقت ممکن ہو، لسانیات کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔ لسانیات سے مراد کسی بھی زبان کے مختلف پیرایوں کا خاص سائنسی تناظرات میں مطالعہ کرنا ہے۔ زبان اپنی ابلاغی ضرورت اور سماجی تفاعل میں ناگزیر کی حیثیت پر متمکن ہونے کے سبب سے زمانہ قدیم سے انسان کی سماجی، تہذیبی زندگی کی آرائش اور اجتماعی ترتیب کے شانہ بشانہ علم اور فلسفے کا موضوع رہی ہے۔ ہر زمان اور مکان کے لوگوں نے زبان کے اجتماعی اور انفرادی جوہر کو دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ جس کے سبب سے زبان محض وسیلہء اظہار رہنے کی بجائے ایک مکمل علمی اور نظری ڈسکورس بنتی گئی۔ معاصر تناظر نے جہاں عالمی ادب میں علم، فکر اور ہیت و تکنیک کے موضوعات کو کئی نئے پہلوؤں سے دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ تو وہیں پر بولی اور زبان کو بھی بتدریج دو مختلف حوالوں سے دیکھنے اور ان کے انفرادی اجزاء و اسباب سے آگاہ ہونے کی خاص سعی کی ہے۔ ان کاوشوں کے اثمار میں سے ایک جدید زمانے میں علم لسانیات کا آغاز ارتقاء اور استناد ہے۔ صدی بھر کی ریاضت سے جو وسعت موضوعی اور فکری باب میں اس علم نے حاصل کی ہے، فلسفہ اور ادب کے دیگر نظریاتی علوم کے حصے کم یاب ہے۔ لسانیات کی تعریف بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر اقتدار حسین لکھتے ہیں:-

> "لسانیات کی رُو سے زبان ایک ایسا خود اختیاری اور روایتی صوتی علامتوں کے نظام کو کہتے ہیں جو کوئی انسان اپنے سماج میں اظہار خیال کے لیے استعمال کرتا ہے"(1)

گویا لسانیات بولی ہے۔ جس کے خود اختیاری پہلو سے مستفید ہوتے ہوئے، صوتی علامات کے نظام کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اقتدار حسین کی بیان کردہ تعریف کے مطابق لسانیات سماج سے جڑے فرد کا علامتی صوتی نظام ہے۔ جسے وہ اپنے مزاج اور افتادِ طبع پر اختیار کرتا ہے۔ یہ ایسا عمل ہے جس میں عامل کی اپنی حصہ داری زیادہ ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی بھی فرد کے لیے زبان کی سیکھ اور تفہیم کا پہلا دائرہ، اس کا سیاسی، سماجی، ثقافتی اور خاندانی پس منظر ہے۔ جو اسے پیدائش کے ساتھ ہی ایک مخصوص زبان عطا کرتا ہے اور اس کی شخصی تربیت کے مختلف مراحل پر یہ زبان کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ بیشتر افراد اپنی زبان کے چناؤ میں ایک خاص وقت پر اپنی آزادی اور خود مختاری کا استعمال کرتے ہیں۔ خواہ اس کے پس منظر میں حالات وواقعات کی نوعیت جیسی بھی ہو۔ نئے زمانے میں زبان محض ابلاغ کا وسیلہ نہیں بلکہ دیگر کئی امور کی انجام دہی میں بھی مسلمہ حیثیت کی حامل ہے۔ آج زبان مادری، قومی، علمی، مذہبی، سرکاری، سیاسی، اخباری، بازاری، ڈرامائی، تقریری، تحریری ایسے اختصاصی پیرایوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ جس سے اس کی اہمیت کے متفرق زینوں کو نگاہ میں رکھا جاسکتا ہے اور اس کی مختلف اصوات کے مطالعہ سے ساخت کو سمجھا جاسکتا ہے۔

اردو ادب میں لسانیات کا موضوع اُسی طرح کی غلط فہمیوں اور زود بیانیوں کی زد میں رہا ہے۔ جیسی عام روش ہمارے ہاں مغرب سے درآمدہ علوم کے باب میں رواج پاچکی ہے۔ مغرب کے علمی دبدبے میں جھکے اردو ادب کے کاندھوں پر حالی سے ناصر عباس نیئر تک کالا داہوا بوجھ اپنی کمیت میں بھاری بھرکم، پھیلا ہوا، پیچیدہ اور اجنبی تو ہے ہی مگر اپنی تخلیقی، ثقافتی سطح پر دوسروں سے اخذ کردہ، زمینی حقائق کی جرٔت اور حالات وواقعات سے وابستگی کے جوہر سے خالی ہے۔ یہاں تک کے اس کے مختلف پیرائے اطلاقی عمل میں نئے، مختلف نتائج کے استخراج میں ناکامیاب ہیں۔ کیونکہ ان کی فکری تنظیم میں افراد کی انفرادی سوچ اور مخصوص گروہی مقاصد غالب رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نت نئے تجربات سے گزر کر بھی اردو ادب نئے تنقیدی نظریات کا مقدمہ اطلاقی پہلوؤں پر جیتنے سے قاصر ہے۔ اطلاقی صورت میں خاص طرح کے ابہام اور ادھورے پن کی تشکیل کے باعث، جدید نظری مباحث تخلیقی وتنقیدی ادب کے چہرے کے بگاڑ میں نمایاں رہے ہیں۔ اسی ڈگر پر گامزن ہم آج لسانیات اور علمِ زبان کے روائتی مطالعات کی کتب میں تفریق کرتے ہوئے کئی مشکل عناصر سے دوچار رہتے ہیں۔ کہ ہر وہ موقع جہاں لفظ "زبان" لکھنے کی گنجائش پیدا ہو، اردو ناقد اسے "لسانیات" سے بدل دیتے ہیں (جیسی روش تانیثیت کے باب میں عام ہے)۔ یہ جانے بغیر کہ زبان کے مختلف اُمور اور تخلیقی پہلوؤں کے روائتی، تنقیدی، جمالیاتی، عمرانی مطالعہ کے برعکس لسانیات ایک الگ علمی میدان ہے۔ جس کے اوصاف بھی مختلف ہیں۔ دبستان کراچی کے ماہرین زبان ہوں یا دبستان لاہور اور پنڈی کے، لسانیات کے حوالے سے ایسی لاپروائی کا مظاہرہ نصف سے زیادہ عرصہ سے اس موضوع کی کتب میں دانستہ یانادانستہ طور پر کیا گیا ہے۔ ہمارا مدعا ان کتب

کا تجزیاتی مطالعہ پیش کرنا نہیں اور نہ ہی کسی مترجم، نقاد، عکاس کی تحریروں کا محاکمہ مقصود ہے۔اس لیے براہ راست اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔لسانیات کے حوالے سے خلیل صدیقی لکھتے ہیں:۔

"اس علم (لسانیات) کا ایسا حتمی جائزہ جو رویے، کیفیت اور جامعیت کے لحاظ سے تمام مکاتب فکر کے لیے قابل قبول ہو، ممکن نہیں"(2)

گویا لسانیات کے تین نمائندہ اجزاء ہیں۔رویہ، کیفیت اور جامعیت۔ڈاکٹر خلیل صدیقی کے مطابق اپنے علمی رویوں، کیفیات اور جامعیت کے حوالے سے لسانیات مختلف مکاتیب فکر کے ہاں مختلف چہروں سے آشکار ہوتی ہے۔یہ چہرے سب کے لیے قابل قبول ہوں یہ ضروری نہیں۔کیونکہ لسانیاتی مطالعہ پہلے سے طے شدہ نتائج سے ہٹ کر نئے نتائج مرتب کرتا ہے۔اس کا جوہر طے شدہ نتائج سے آگے بڑھ کر کچھ نیا سامنے لانے پر منحصر ہے۔ جس کی وجہ سے ادب و فلسفہ کی متفرق جہات سے جڑے افراد اس کی حتمی تعریف کے تعین سے قاصر ہیں۔لسانیات فی زمانہ زبان کی تکلمی اور تحریری حالتوں سے آگے بڑھ چکی ہے۔اس کے اثرات کو طب، نفسیات، جینیات، طبعیات کے مطالعاتی ڈسکورس میں دیکھا جاسکتا ہے۔

سادہ ترین لفظوں میں بات کی جائے تو لسانیات اپنی حقیقی بنیاد میں زبان کے سائنسی مطالعہ کا نام ہے۔جس میں بقول ڈیوڈ کرسٹل قواعدِ زبان کی مجموعی تحریری صورتوں کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔لہذا ان کو علم لسانیات میں شامل نہیں کیا جانا چاہیے۔(3)

اگر آپ توجہ کریں تو علم قواعد کے بنیادی وظائف میں تحریر اور تقریر، املاء اور تلفظ کی درست پیشکش شامل ہیں۔درست تلفظ و املاء اور جملے کی ساخت میں قواعدی پابندی کا یہ قاعدہ خود کچھ افراد کا طے کردہ ہوتا ہے۔جس پر تمام طبقات حیات کا متفق ہونا ضروری نہیں۔زبان کے قواعدی نظام میں جملے کی ساختی ترکیب میں خاص اہتمام کے ساتھ املاء پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔جبکہ تقریر کی بنیاد تلفظ پر استوار کر کے لفظ کی ادائی کے عمل کو معیار کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔اس کے علاوہ زبان کے روائتی مطالعات میں کسی بھی زبان کے آغاز وارتقاء اور اس کی درجہ بدرجہ ترقی کے مراحل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔علمِ لسانیات کا جوہر تحریری کے برعکس تقریری زبان میں ہے۔تقریری زبان کا دائرہ عمل اور رسوخ تحریری زبان کی نسبت کمیت اور کیفیت میں نہایت وسیع اور اپنے اثرات میں ہمہ گیر ہوتا ہے۔اردو میں لسانیات کے نظری مباحث کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے ربط ضروری ہے۔ان کتب میں علمِ لسانیات کے معنی و مفہوم کے تعین کے ساتھ اس کے مختلف اطلاقی پہلوؤں کو بھی دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔جو کسی بھی طالب علم کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ان میں ڈاکٹر عبدالسلام کی کتاب "عمومی لسانیات"، ڈاکٹر خلیل صدیقی کی "آواز شناسی"، "اردو زبان کا ارتقاء"، ڈاکٹر گیان چند جین کی مصنفہ "عام لسانیات"، ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی "ہندوستانی لسانیات"، ڈاکٹر الہی بخش اختر اعوان کی "کشاف اصطلاحات لسانیات"، جابر علی سید کی

کتاب "لسانی و عروضی مقالات" سید محمد قدرت نقوی کی مرتبہ "لسانی مقالات"، ڈاکٹر ناصر عباس نیئر کی تصنیف "لسانیات اور اردو تنقید" اور ڈاکٹر عطش درانی کی نمائندہ کتب اور مضامین فہرست ہیں۔ ان کے علاوہ تحقیق کار موضوع سے الحاقی دستیاب انگریزی کتب سے بھی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔

کتاب "ادبی اصطلاحات کا تعارف" کے مصنف لسانیات کی تعریف میں لکھتے ہیں:-

"لسانیات Linguistics کا اردو ترجمہ ہے۔ فلالوجی کی اصطلاح بھی لسانیات کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتی ہے لیکن فلالوجی ایک نسبتاً وسیع تر اصطلاح ہے، جس کے مفہوم میں زبان کے سائنٹفک مطالعہ کے علاوہ ادبیات کا سائنٹفک مطالعہ بھی شامل ہے "(4)

فلالوجی کا علم لسانیات کا متبادل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ فلالوجی اطلاقی سطح پر لسانیات سے یکسر مختلف ہے۔ اس میں ادبی تحاریر و تصانیف کا سائنسی لسانیاتی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جبکہ لسانیات بارے مختصر تعارف اوپری سطور میں پیش کیا جا چکا ہے۔ فلالوجی اسی طرح لسانیات کے ایک اہم جزو کی حیثیت رکھتی ہے جیسے ساختی لسانیات۔ اس کو لسانیات کا متبادل نہیں کہا جا سکتا۔ گویا اس حوالے سے اردو میں گزشتہ دو دہائیوں سے جن مضامین کا تانتا بندھا ہوا ہے۔ ان میں سے بیش تر کا تعلق نیم فلالوجی کا سا بنتا ہے۔ اردو میں تخلیقی اور تنقیدی متون کے سائنسی مطالعہ کا رواج نہ ہونے کے برابر ہے۔ تخلیقی متون کی تشریح اور بازیافت کا سلسلہ بھی سائنسی طرزِ استدلال کے برعکس زبان کے جمالیاتی، اقداری، تشریحی، نفسیاتی اور سماجی وظائف پر مرکوز رہتا ہے۔ ادب کی تاریخ نویسی کے باب میں بھی خارجی سیاسی، سماجی حالات سے اصول وضع کرنے کے بعد تخلیقی متون کی بازیافت کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔ اردو میں متون کے براہ راست مطالعہ کے برعکس تشریحاتی تنقید کو بروئے کار لایا جاتا ہے ۔ لسانیات زبان کی پیدائش، افزائش اور موت کے دورانیہ کا تاریخی، سائنسی، منطقی مطالعہ ہے۔ جس میں اُس زبان کا اصوات، فونیمیات، نحویات، قواعد اور لغت کے اعتبار سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس عمل میں پہلے سے جاری تصورات کی چھان پھٹک کی جاتی ہے۔ مخصوص زبان کے بولنے والوں کی طرف سے الفاظ کے چناؤ اور اس انتخاب کے عمل میں جاری سائنسی استدلال کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے علمِ لسانیات کو کسی بھی خاص زبان کی پیدائش، ترویج اور خاتمے سے متعلق علم قرار دیا ہے۔ وہ اس حوالے سے رقمطراز ہیں:-

"لسانیات اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے زبان کی ماہیت، تشکیل، ارتقا، زندگی اور موت کے متعلق آگاہی ہوتی ہے "(5)

گویا لسانیاتی اصول زندہ اور رائج زبانوں کے ساتھ ساتھ ان زبانوں کے مطالعہ کا نظام بھی وضع کرتے ہیں۔ جو اپنی زندگی پوری کر کے متروک ہو چکی ہوں یا ان کی موت واقع ہو گئی ہو۔ اس عمل میں زبان کے مختلف الفاظ بھی زیر غور لائے جاتے ہیں اور کسی زبان کا وہ غالب حصہ بھی جو ترک کیا جا چکا ہو یا جسے ترک کیا جا سکتا ہو۔ اس مطالعہ میں زبان اور بولی دونوں حالتیں شامل ہوتی ہیں۔ لسانیات کی بطور علم

تشکیل کے مراحل کو دیکھا جائے تو جدید اور پیچیدہ فلسفے کی سرزمین جرمنی میں زبان کے متفرق مطالعات کے باب میں شعبہ تقابلی فلالوجی(Comparative Philology)منظر عام پر آیا۔ جس نے اولاً سائنسی استدلال پر زبانوں کے باہمی روابط اور انسلاکات پر تحقیق آغاز کی۔ اپنی ابتدائی شکل میں (Comparative Philology)کا وظیفہ ادبی زبان کے خاندانی تعاملات پر سائنسی دلیل کے برعکس روائتی تاریخی انداز پر غور وخوض کرنا ہے۔ جس کی وجہ سے معاصر اہم زبانیں اس کے تجزیاتی دوائر کا حصہ بنتی ہیں۔ ان زبانوں کو زندہ زبانیں بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔ زبان کے سائنسی مطالعات کا آغاز بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں ہوا جب سوئس ماہر لسانیات فرڈینڈ سائسئیر کے لسانی خیالات پر مبنی خطبات کو اُس کے طالب علموں نے کورس ان جنزل لنگوسٹکس (Course in General Linguistics)کے نام سے کتابی صورت میں مرتب کیا۔ یہ مت سوچئے کہ سائسئیر کے یہ لیکچرز اس کے دل و دماغ پر اچانک اترنے والی کوئی شئے تھی۔ بلکہ یہ اس فکری تسلسل کا آئندہ پڑاو تھا جو مغربی اقوام لے گزری نصف ہزار صدی کی مسافت سے حاصل کیا تھا۔ سائسئیر کے خطبات کی اہمیت اور معنویت پر سوچ بچار کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ یہ بات ہے کہ زبان کے صوتی، غنائی، تجز صوتی، ساختی، قواعدی مطالعات کا منظم اور منضبط نظام مرتب کرنے کا سہرا سائسئیر کے سر ہی سجتا ہے۔

اس نئے علمی ڈسکورس نے علم لسانیات کی آزاد علم کے طور پر شناخت کی راہ ہموار کی۔ جس کے نتیجے میں لسانیات کی منظم تحریک نے جنم لیا۔ اس تحریک کے بعد سے یہ موضوع تحریر و تقریر کا جزو بنا ہوا ہے۔ ایک طرز تفہیم رومن جیکبسن کے ہیتی، لسانی تناظر اور مختلف لسانی سکولز کے تناظر میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ امر مسلم ہے کہ سائسئیر کی فکریات نے جدید لسانیات کے باب کا باقاعدہ آغاز کیا۔ اس ترکیب کی تعریف کے حوالے سے جے اے کڈن لکھتے ہیں:-

> The Scientific study of language. Descriptive classifies the " characteris tic historical or Comparative linguist ics deals with its growth and develop ment. The principal branches of lingui stics are: etymology semantic, phonetics, morphology and syntax.)6(

کڈن کی تعریف کے مطابق لسانیات زبان کے اجزاء کا ایسا تاریخی اور تقابلی جائزہ ہے۔ جو تشریحی، سائنسی بنیاد پر ہو۔ اگر کوئی مطالعہ تشریحی ہو، تقابلی ہو لیکن سائنسی نہ ہو تو لسانیات کے دائرے میں شمار نہیں کیا جاتا؟ کیونکہ اس کی بنیاد سائنسی تجربے کی صداقت ہے جس کے بغیر اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لسانیات کے مطالعہ کو مزید کچھ حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ جن کی وضاحت آئندہ سطور میں پیش کی جائے گی۔ اس موقع پر Descriptive کے معنی کی وضاحت ڈاکٹر ناصر عباس نیر کے الفاظ میں دیکھتے ہیں:-

"لسانیات میں اولیت کے کسی تصور کی گنجائش نہیں۔ لسانیات زبان کے سائنسی مطالعہ کا نام ہے، چوں کہ سائنسی مطالعے میں لازماً ایک معروض (Object) ہوتا ہے، جس کا یکساں رہنا ضروری ہے۔ چناں چہ لسانیات ایک خود مختار مطالعاتی مرکز کے طور پر قائم ہی نہیں ہو سکتی۔ لہذا یہ تشریحی (Descriptive) انداز اختیار کرتی ہے نہ کی اقداری (Normative) یا حکم لگانے کا (Prescriptive)۔(7)

لسانیات میں اولیت کے تصور سے مراد کسی ایک زبان کو دوسری زبان پر یا کسی زبان اور بولی کے باہمی ادغام میں کسی ایک کو دوسری پر اولیت یا فوقیت دینے کے متعلق ہے۔ لسانیات اپنی تحقیقات میں تمام لکھی، بولی جانے والی زبانوں کو برابر اہمیت دیتی ہے۔ خواہ اس کا پھیلاو اور اثر انگیزی ہمہ گیر ہو یا چند گروہوں یا افراد تک محدود۔

تشریحی لسانیات کی تحقیق کے دوران محقق زبان کی پیدائش کے ماحول، الفاظ کی تشکیل کے مطالعہ، صوتیات، معنیات، نحو اور بولیات کی ترکیبی حالتوں کے سائنسی مطالعہ کے ساتھ یہ بھی دیکھتا ہے۔ کہ زبان میں آوازوں کا کردار کیا ہے۔ ان آوازوں کی پیدائش کے مراحل کیا ہیں۔ وہی آوازیں جن کا وقوع مخرج، گلے، حلقوم میں تفریق اور ہوا کے دباؤ میں کمی بیشی کے سبب سے جغرافیائی اور زمانی سطح پر متفرق الثقافتی ہوتا ہے۔ یہ ثقافتی سماجی تفاعل ان زبانوں، بولیوں پر اس قدر اثر انداز ہوتے ہیں کہ ان کی اصوات ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ لسانیات کی حدود و قیود کے حوالے سے سائنسی استدلال کی ذیل میں ڈاکٹر عبد السلام لکھتے ہیں:-

"سائنسی مطالعہ سے ہم ایسی تحقیقات مراد لیتے ہیں جو عام لسانی نظریئے کے حوالے سے کی گئی ہو اور جس کے مشاہدات کی تصدیق تجربی تقاضوں کے تحت کی جا سکے، روبنس نے سائنسی مطالعے کے تین بنیادی تقاضے بیان کیے ہیں:

1۔ جامعیت: یعنی تمام متعلقہ امور سے کماحقہ بحث کی جائے۔

2۔ ہم آہنگی: یعنی اس کے مختلف حصوں کے بیانات میں آپس میں تضاد نہ پایا جائے۔

3۔ اختصار و کفایت: تمام اُمور کو ملحوظ رکھتے ہوئے غیر معمولی طوالت سے پرہیز کیا جائے جہاں تک ممکن ہو کم سے کم اصطلاحات سے کام چلایا جائے اور مختصر اور جامع بیانات کو ترجیح دی جائے"(8)

اس تعریف کی رو سے لسانیاتی مطالعات تجرباتی طور پر مصدقہ ہوتے ہیں۔ جن کی صداقت کو عملی سطح پر پرکھا جا سکتا ہے۔ روبنس کے بیان کیے ہوئے تین اصولوں سے اطلاق لسانیات کی شکل واضح ہو جاتی ہے۔ جو تحقیقی عمل میں جامعیت، ہم آہنگی اور اختصار و کفایت سے تشکیل پاتے ہیں۔ روبنس کی لسانیاتی تعریف تین عناصر تک محدود ہونے کی وجہ سے اس ڈسکورس میں جاری موضوعی تخصیص تشنہ رہتی ہے۔ ماہر لسانیات اپنی تحقیقات میں کن امور کو شامل کرے گا یا کن امور پر زیادہ توجہ مرکوز رکھے گا یا اس کی تحقیقات میں درجہ بندی کا نظام کس طور پر وضع کیا جائے گا؟ یہ سب امور اس کے علمی ڈسکورس پر بنیاد کرتے ہیں۔ ماہرین لسانیات بھی اس پہلو پر صراحت کرتے ہیں۔ اس حوالے سے گلیسن تین بنیادی عناصر کو لسانیاتی تحقیق کاری کے میدان میں مرکزی اہمیت دیتا ہے۔

ایک:اظہار کی ساخت (Structure of expression)،مواد کی ساخت (The structure of content)،ذخیرہ الفاظ (Vocabulary)اس طرح جامعیت، ہم آہنگی اور اختصار کا ربط اظہار، ہم آہنگی اور لغت کے ساتھ جڑ جاتا ہے۔یعنی اظہار، مواد اور لغت وہ تین ذرائع ہیں۔ جن کے درست اور بر محل استعمال سے تحقیقات کو بہتر سے بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ بہتر اظہار کے عناصر بھی اوپر بیان کر دیے گئے ہیں کہ یہی تین عناصر جامعیت، ہم آہنگی، اختصار بالترتیب اظہار، مواد اور ذخیرہ الفاظ کے بر محل وقوع سے لسانیاتی تحقیق کار، سائنسی استدلال اور تجرباتی صداقت سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔ الفاظ کے حوالے سے گلیسن کا خیال ہے کہ کچھ الفاظ دیگر لفظوں کی نسبت زیادہ تیزی سے متروک ہوتے ہیں اور اپنی موت مر جاتے ہیں۔ ایسے زود بیاں الفاظ، جن کا استعمال روزمرہ کے بول چال میں بہت زیادہ ہوتا ہے اور جن کی اہمیت اور ضرورت کے بارے ہماری رائے لازمی الفاظ کی سی ہوتی ہے۔ ان کی فنا پذیری کی عمومی اوسط ایک ہزار برسوں میں بیس فیصد کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک ہزار برسوں میں انسان کے انفرادی اور اجتماعی معمولاتِ زندگی میں اس قدر بدلاؤ آ جاتا ہے کہ اُنہیں قدیم الفاظ کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور یوں یہ غیر محسوس طریقے سے فنا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اسی زمانے میں بہت سے خیالات، نظریات یہاں تک کہ عقائد بھی فرسودہ اور قدیم ہو کر اپنے استعمال کے مواقع محدود تر کرتے ہوئے اپنا وجود ختم کر بیٹھتے ہیں۔ عام آدمی کے پاس الفاظ کی بجائے قواعدی مرکبات سیکھنے کی صلاحیت نہایت کم ہوتی ہے۔ کسی بھی زبان بولنے والے انسان میں خواہ اس کی فطری صلاحیت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ قواعدی مرکبات سیکھنے کی فطری صلاحیت اور رفتار نہایت سست ہوتی ہے۔ انسان کے لیے مواد اور اظہار(Content and expression) کے نئے مرکبات پر مہارت پانا خاصا دشوار ہوتا ہے۔ یہ اُن عناصر میں شامل ہے جن کا ادراک ماہر لسانیات کے لیے لازم ہے(9)

اردو ادب میں لسانیات کا عمل دخل گزشتہ نصف صدی سے نصابی ضرورت کے تحت بالعموم اور ربع صدی سے جامعاتی اور اعلیٰ تعلیمی سطح کے محققین کے لیے بالخصوص اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ ان ہی ضرورتوں نے جہاں اس میدان میں کام کے جواز پیدا کیے ہیں وہیں سرمایہ پرست نفسیات نے مواد کی صحت پر تساہل سے گریز نہیں کیا۔ چونکہ غالب اردو ماہرین لسانیات کا مدعا نصابی ضرورتوں کے تحت کتب کی تحریر و تدوین کا عمل جاری رہا ہے۔ جو اپنی بنیاد میں ہی فکری جدل سے بے بہرہ ہیں۔ لسانیات کی تفہیم اور اس میں نئے پہلوؤں کی تلاش غور و فکر کی متقاضی رہتی ہے۔ اس پیچیدہ تعلیمی عمل سے طالب علم کے لیے زبان کے روائتی مطالعات اور لسانیات کے نظری مباحث پر عبور حاصل کرنا خاصا دشوار ہوتا چلا گیا ہے۔ مشرقی ممالک بالخصوص اردو خاندان کے ماہرین زبان (زبان کے اغاز و ارتقاء پر قیاس کرنے اور زبان دان کی طرف سے تشکیل دیے گئے قواعدی ساختے کو من و عن قبول کرنے والے) نے خود کے ماہر لسانیات ہونے کا دعویٰ بھی کیا۔ ماہر لسانیات حقیقی معنوں میں وہی شخص ہو سکتا ہے جو لسانی تحقیقات میں مگن ہو اور بولی کے اصواتی نظام کی جدلیاتی تفہیم سے نئے معنی،

آوازیں اور سائنسی معروضات پیش کرے۔ اردو میں اس حوالے سے موجود کام براہ راست انگریزی سے اخذ کرنے کے باعث ادق اور پیچدار ہے۔

علم لسانیات نے سائنسی تجربے سے یہ فہم عام کیا ہے کہ زبان اپنے تشکیلی وجود میں کیا ہے؟ زبان میں املاء اور تلفظ کے قواعد آفاقی یا فطری نہیں بلکہ اختیاری اور گروہی ہیں۔ زبان کو اساطیر کی خود ساختہ، دھندلی اور پیچیدہ دنیا سے معروض کی روشنی میں لانے کی کوششیں بھی لسانیات کے سر سجی ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے اردو لسانیات کے مباحث کو نسبتاً سہل اور عام فہم انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے ہاں بھی بنیادی مسئلہ زبان کے روائتی مطالعات اور سائنسی مطالعے کے درمیان باریک خط سے لاپرواہی برتنے کا ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ گیان چند جان کی تحریر علم لسانیات کے نظری اور اطلاقی پہلوؤں کے حوالے سے اردو کے دیگر ماہرین لسانیات کی نسبت صاف اور واضح ہے۔ ان کی علم لسانیات اور اس کے دائرہ کار بارے رائے ملاحظہ کریں:-

"زبان کے باقاعدہ مطالعے کو لسانیات یا علم زبان کہتے ہیں۔ علم زبان ایک طویل نام ہے اس پر لسانیات کو ترجیح دینا چاہیے۔ زبان کا مطالعہ دو طریقوں سے ہو سکتا ہے۔

(1) زمانے کے ایک مخصوص نقطے میں۔ اور یہ نقطہ زمانہ حال کا ہوتا ہے۔

(2) تاریخ کی رو میں عہد بہ عہد ارتقاء کو پیش نظر رکھ کر۔

> کسی زبان کا ایک مخصوص منزل میں مطالعہ تجزیاتی لسانیات کہلاتا ہے۔ اسے توضیحی لسانیات بھی کہا جاتا ہے۔ دراصل ہر تحریری زبان کا ایک ڈھانچہ ہوتا ہے۔ یہ ڈھانچہ کیا ہے؟ زبان کے مختلف اجزائے ترکیبی اور ان کے باہمی تعلقات کا مطالعہ کرنا۔ زبان کا ایک وقت میں مطالعہ کیا جائے گا تو اس کی ساخت اور ڈھانچے کا ہی تجزیہ کیا جا سکتا ہے اور یہی بنیادی چیز ہے۔ زبان کے تاریخی ارتقاء کا مطالعہ تاریخی لسانیات کہلاتا ہے"(10)

ڈاکٹر گیان چند جین نے دیگر ماہرین کی مانند اس علم کی راست نظری تفہیم کے بجائے اس کے عملی اور اطلاقی پہلوؤں کے بیان سے تعریف وضع کرنے کی سعی کی ہے۔ اگر صاف لفظوں میں کہا جائے تو لسانیات کچھ نہیں ہے سوائے کچھ عملی مشقوں اور ان سے حاصل ہونے والے سائنسی استدلال کی ترتیب و تدوین کے۔ یہی سبب ہے کہ لسانیات کی حدود کے نظری تعین میں بھی اس کے اطلاقی پہلوؤں کو زیر غور لایا جاتا ہے اور انہی اطلاقی عناصر کو لسانیات کے اصولوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ اس بات پر اتفاق ممکن نہیں کہ لسانیات کا مطلب زبان کا علم ہے۔ اس طرح تو زبان تخلیقی، تنقیدی، اصلاحی، مذہبی، خبری، فلسفیانہ تاریخی، شور و غوغا، بے ہنگم آوازوں سمیت کئی خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ مخصوص حالات میں خاموشی بھی ایک زبان ہے۔ جس سے ابلاغ کا کام لیا جاتا ہے۔ اصوات کے ایسے امتیازات پر ان

میں اظہار کردہ زبان کے معنوی امکانات کو لسانیات میں تلاش کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ لسانیات تخلیقی، تنقیدی زبان کے برعکس اس کی تکلمی حالت کا مطالعہ لسانیاتی جبکہ تحریری زبان کے ساختی اجزاء کا مطالعہ ساختیاتی بنیادوں پر کرتی ہے۔باوجود اس کے کہ ساختیات اپنی اساس میں لسانیات سے اخذ کردہ علم ہے۔لیکن اس ایک کو دو میں بیان کرنے اور پھر ان دو کے درمیان اطلاقی امتیاز کو نظر انداز کرنے کی روایت روز بروز مضبوط تر ہوتی چلی جارہی ہے۔امریکی، سوئس ماہر لسانیات جارج یول (George Yule) زبان کو ذہن کے سائنسی ڈھانچے اور معنی کے سلسلوں سے جوڑ کر دیکھتا ہے۔اس کے الفاظ میں:-

> In the preceding chapters we have reviewed in some detail the " various features of Language that people use to produce and understand linguistic messages. Where is this ability to use language located?The obvious answ er is"in the brain. "However,it can't be just anywhere in the brain. For example,it can't where damage was done to the right hemisphere of the patient's brain in Alice Flaherty's description.The woman could no longer recognize her own leg, but she could still talk about it.The ability to talk was unimpaired and hence clearly located somewhere else in her brain.")11(

جارج یول کے مطابق زبان کا ذہن کے ساتھ رشتہ واضح اور ساختی ہے۔جو بعض اوقات اشیاء کی غیر موجود کیفیات میں بھی اسی تذکرے پر مشتمل ہے۔اگر ایک شخص کسی شئے کا ذہن میں تجربہ / مشاہدہ رکھتا ہے تو وہ اس کی غائب حالت میں بھی واضح طور پر اس شئے کے بارے بات کرتا ہے لیکن وہ اس وضاحت میں نہیں گئے کہ زبان میں نشان اور اس کی شناخت کا یہ عمل ساختی لسانیات کا بنیادی وظیفہ ہے۔عمومی لسانیات میں اولیت اصوات اور ان کے تشکیلی مراحل کو حاصل ہے۔جو طے شدہ معنی کے برعکس نئے معنی اور طے شدہ نتائج سے الگ نئے نتائج سامنے لاتے ہیں یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ خالص لسانیاتی عمل میں تحقیق کار پہلے سے طے ہر نتیجے کے برعکس کوئی نیا نتیجہ اخذ کرتا ہے۔کیونکہ پہلے سے طے شدہ نتائج خواہ وہ قواعد کی رو سے املا اور زبان کے ساختی تحریری جملوں سے متعلق ہوں یا لغت میں درج مختلف گروہوں کے زیر استعمال معنی کے حوالے سے،اس سے الگ ہوتے ہیں۔لسانیاتی محقق اصوات کی تخلیق،زبان اور دیگر الات صوت کے سائنسی استعمال اور ان کی حرکات سے نئے عوامل تشکیل کرے گا۔جن کا پہلے سے کوئی وجود نہیں ہوگا۔یہی بنیاد لسانیات کے سائنسی

مطالعے کی ہے۔ کہ جس میں ایک زمانی وقفے میں یا ایک سے زائد زمانی ترتیبات میں زبان کے ذہنی ساختوں سے اس کی تشکیل اور افزائش کے متفرق اسرار کو سمجھنے کی کوشش کی بجائے اس کی ادائی اور اس ادائی کے عمل میں الات صوت کو سمجھنے کی کوشش میں کی جاتی ہے۔

ساختی لسانیات کے یول کی طرف سے پیش کردہ تصورات کو معنوی امکانات کے بعض نئے حوالوں سے مزید تحقیق و تجزیات کی ضرورت ہے۔ اگر کسی شخص کے ذہن میں شئے کا تصور مشاہداتی یا تجرباتی ہوتا ہے۔ لیکن ثقافتی نہیں، جسے ماہر لسانیات تاریخی لسانیات کی ذیل میں شمار کرتے ہیں لیکن اس بارے کچھ نہیں بتاتے کہ یہ مشاہدہ / تجربہ اپنی ساخت میں ثقافتی اور معاشرتی سطح پر کس طرح کے اثرات کا حامل ہو گا؟ لسانیات کے مختلف عناصر کو تشریحی، تاریخی، ساختی، ثقافتی، قواعدی حصوں میں دیکھنا درست ہو سکتا ہے؟ اس کے تشکیلی مراحل میں ثقافتی اور سماجی عناصر کو ذہن میں رکھتے ہوئے معنی کے ثقافتی اور معاشرتی عمل کا بھی سائنسی طرز پر مطالعہ کیا جانا چاہیے یا نہیں؟ اسی اصول پر اگر شاعری کی لسانیات مخصوص عوامل پر بنیاد کرتی ہے تو ان عوامل کا رشتہ شعری لسانیات کے جمالیاتی پہلو سے ہو گا یا شعری متون کے تاثراتی پہلو کو زیر بحث لائے گا؟

اس طرح کے دیگر سوالات کو بھی تفہیم کی کسوٹی درکار ہے جن کا تفصیلی تجزیہ دوسرے موقع پر پیش کیا جائے گا۔

جدید لسانیات کے ماہرین، لسانیات میں مرکزی جوہر کی اساس پر آفاقی قواعد کی تشکیل کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس تصور کے باب میں اینڈریو ریڈفورڈ اور ان کے ساتھی قلم کاروں کی رائے دیکھیں:-

> An additional goal for the linguist is the development of a theory " of Universal Grammar (UG). A great deal of contemporary linguistics theory can be viewed as testing hypothesis about UG on an ever wider class of languages".)12(

یعنی لسانیات کا ہدف ایسی عالم گیر، آفاقی گرامر کی تشکیل ہے جو بولی جانے والی تمام بولیوں اور زبانوں کو اپنے دائرے میں شامل کر لے۔ یہ اسی طرح کی خواہشات میں سے ایک ہے جو پندرہویں صدی عیسوی میں جدیدیت کے مختلف حوالوں سے سامنے انے والی مغربی خواہش کو سامنے لاتی ہیں۔ جن کے مطابق وہ(مغرب) پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے اور اس پر حاکمیت کا خواہاں ہے۔ مگر گذشتہ چھ صدیوں سے، اس خواہش کے عملی نتائج استعمار اور کالونی یا قابض اور مقبوض کی صورت ہی منظر عام پر آئے ہیں۔ اسی نوعیت کے نتائج کا امکان، آفاقی گرامر کے تعین کی صورت بھی موجود ہے۔ وگرنہ اگر پوری دنیا ایک زبانی ساختے کے زیر اثر ہو سکتی ہہ۔ تو پھر وہ ایک مذہبی، ثقافتی اور سماجی انسلاک میں پیوست کیوں نہیں ہو سکتی؟ اس پر حاکمیت کا خواب محض مغرب کے پاس کیوں ہے؟ دنیا کے نظام کی

روانی کے لیے حاکم اور محکوم کی ہی شرط کیوں لازمی ہے؟ سائنسی علوم کے توسط سے برابری اور مساوات کے تمام تر دعویٰ جات محض گفتگو برائے گفتگو کیوں ہیں؟

لسانیات کے نظری اور اطلاقی پہلوؤں پر ڈاکٹر قاضی عابد لکھتے ہیں:-

> "لسانیات سائنس ہے اور اس کا کام حقائق سے بحث کرنا ہے۔ لیکن لسانیات طبیعیاتی سائنس نہیں ہے کیونکہ اس میں جس مواد سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کا تعلق مستقل اور غیر متغیر حقائق سے نہیں ہوتا۔ لسانیات جن مظاہر سے بحث کرتی ہے وہ منطقی ہوتے ہیں اور ان میں افقی اور عمودی ہر سطح پر تبدیلیوں کے امکان موجود رہتے ہیں"(13)

اس عمودی اور اُفقی سطح پر تعلق کے نتیجے میں ہی معنی و مفہوم میں بدلاؤ زبان کو کسی بھی مخصوص اجارہ دار کے پاس رکھ چھوڑتا ہے۔ عمودی اور اُفقی محور کا تعلق سمعیاتی صوتیات کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ زبان کے دو محوروں ایک اُفقی محور یعنی دانتوں کی طرف بڑھنا اور وہاں سے پیچھے کی طرف ہٹنا جبکہ دوسرا عمودی محور فرشِ دہن سے تالو کی جانب اُٹھنا اور تالو ہی کی طرف سے فرشِ دہن کی طرف ہٹنا شامل ہیں۔ عمودی محور کی مختلف حرکات کا مطالعہ فرشِ دہن سے تالو تک کے فاصلے کے اعتبار سے کیا جاتا ہے۔ اُفقی محور کے تین حصوں کو زبان اور دانتوں کے باہمی روابط سے شناخت کیا جاتا ہے۔ زبان اور دانتوں کی حرکات سے افقی محور میں اگلے مصوتے، پچھلے مصوتے اور مرکزی مصوتے پر دھیان دیا جاتا ہے۔ یہ مصوتے مل کر ایک مکمل صوت کو خلق کرتے ہیں۔ جو بولی والی زبان کی تشکیل میں مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔

عمومی تقاعل میں غالب ماہر لسانیات، اس کے سائنسی تصور میں پنہاں ادبی تجزیہ کو خالص سائنسی طریق سے الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہتے یہ لسانیاتی سائنس اور ادبی سائنس کو ایک ہی طرح سے پرکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں لسانیاتی تحقیق کاری کے عمل میں زبان کے مطالعہ میں خالص استقرائی طریق کار (Inductive Method) کو اختیار کرنا چاہیے کہ کسی بھی طرح کے عمومی نتائج کے استخراج میں تحقیق کی شروعات خاص لسانی ساختیے، زمان اور مکان کے تناظر میں ضروری ہیں۔ مگر یہ رائے ادبی لسانیاتی سائنس اور خالص سائنسی تصور کے درمیان تفریق سے بالا ہے۔ جس کا مختصر حوالہ اوپری سطور میں پیش کیا گیا ہے۔ اپنے استخراجی (Deductive) طریق کار کی پابندی سے لسانیات حقیقی معنوں میں سائنس بنی اور اس میدان میں نمایاں کامیابیوں کا سلسلہ شروع ہوا (جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے)۔ لسانیات کے اعتبار سے کلام، تحریر کی صراحت کئی سطحوں جیسے صوتی، صوتیاتی، قواعدی، نحو و صرفی پر کی جاسکتی ہے۔ اپنے رائج نظام کی رو سے لسانی تحقیق میں زبان کے تخصیصی مطالعہ کے لیے دو طریقہ ہائے کار وضع کیے جاتے ہیں۔

1۔ تاریخی لسانیات 2۔ توضیحی لسانیات۔

یہ دو نکات لسانی تحقیق کی کچھ صورتوں کو ضرور واضح کرتے ہیں۔ وگرنہ لسانیات کا اطلاق زندگی کے ہر شعبہ پر ہوتا ہے۔ تاریخی، توضیحی، ساختی لسانیات کے ساتھ ثقافتی، تقابلی، تہذیبی، مذہبی، زمینی، اجنبی سمیت لسانیات کے کئی دیگر شعبہ جات کے قیام کی ضرورت موجود ہے۔ (جس پر الگ سے مضمون قلمبند کیا جائے گا) یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اپنے عملی تفاعل میں لسانیات کے واضح طور پر دو حصے ہیں۔ پہلا زبان، کلام کا صوتی مطالعہ جبکہ دوسرے میں دیگر تمام مطالعات شامل ہوتے ہیں۔ قواعدی، نحوی، صرفی، لغتیاتی، ساختی، ثقافتی، عروضی غرض ہر دوسرے مطالعہ میں بھی تحقیق کار صوتی تجزیات کی بنیاد پر ہی آگے بڑھتا ہے۔ اس امتیاز کے ساتھ کہ زبان اور دیگر الات صوت کے استعمال اور الفاظ و مرکبات کی تنظیم میں بولی یا زبان کے یہ عناصر کس طور متغیر عمل سر انجام دیتے ہیں۔ خواہ ماہر لسان کلام / زبان کے اکہرے، دوہرے، یک رکنی، دو رکنی، سہ رکنی، غنائی، ثقیل عناصر کا کھوج ہی کیوں نہ لگائے، اس سلسلے میں اس کے پاس پہلی اکائی 'صوت' ہی قرار پائے گی۔ اسی مرکز سے وہ آگے کے تمام مراحل طے کرے گا۔ اس موقع پر لسانی تحقیقات کے مندرجہ بالا دو عناصر کو سمجھنے کی سعی ضروری ہے۔

تاریخی لسانیات Historical Lingustics

تاریخی لسانیات میں ماہر لسانیات زبانوں کے متفرق پہلوؤں کا تاریخی پس منظر میں مطالعہ کرتا ہے۔ اس عمل میں وہ زبانوں میں رونما ہونے والی صوتی، غنائی، لغوی، زمینی تبدیلی کا جائزہ آلات صوت میں برپا تبدیلیوں کے عہد بہ عہد تجزیہ سے کرتا ہے۔ اس عمل میں برپا ہونے والے بدلاؤ کا سائنسی استدلال پر کھوج لگاتا ہے۔ جیسے کہ گزشتہ سطور میں وضاحت کی جاچکی ہے کہ لسانیاتی تحقیق کے زیر اثر حاصل ہونے والے نتائج کو تجربی صداقت پر پرکھا جاسکتا ہے۔ ان اصول و قواعد پر تحقیقات کی جاتی ہیں کہ جن کی دلیل پر زبانوں میں متفرق تبدیلیاں برپا ہوتی ہیں۔ جن میں املائی، تلفیظی، ساختی، معنوی بدلاؤ بھی شامل ہوتا ہے۔ زبان اپنے معنی کے ساختے میں بھی تبدیلی کے مراحل سے گزر سکتی ہے۔ جس کا تفصیلی جائزہ معنوی لسانیات کے باب میں لیا جاتا ہے۔

توضیحی لسانیات: (Discreptive Linguistics) توضیحی لسانیات اس سلسلے کی دوسری اہم کڑی ہے۔ جس میں زبان کی توضیح و تشریح کے علاوہ

صوتی، فونیمی، صرفی، نحوی، معنوی حوالے سے تشریح اور بازیافت کی جاتی ہے۔

لسانیات کی عملی صورتوں کو دیکھیں تو اس کے دو بنیادی شعبہ جات بنتے ہیں۔ پہلا صوتیات یعنی آواز جو تکلمی حالت میں بولنے والا پیدا کرتا ہے اور دوسرا اس آواز کو بنیاد بنا کر اُن بولے، لکھے ہوئے الفاظ کے تحقیقی تجزیاتی مطالعات، جو اس تشکیلی عمل کا بنیادی عنصر یا اس کا جزو رہے ہوں۔ اس پہلو کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ ماہر لسانیات زبان کے معنیاتی، لغوی، قواعدی، عروضی مطالعات میں بھی اصوات ہی کو

بنیاد بناتا ہے۔ خواہ اس کے اکہرے، دوہرے ٹکڑوں پر توجہ دے یا لفظ کی تشکیل اور ادائی کے مراحل کو سائنسی استدلال پر جانچ کاری کے عمل سے گذارے۔ اگر لسانیات کے عناصر کو موضوعی سطح پر بیان کرنا ہو تو اس کی حدود کا تعین بذات خود ایک مشکل امر ہے۔ اس طور پر عمومی لسانیات اور اس کے متفرق اجزاء کے ساتھ سماجی، تاریخی، سائنسی، تقابلی، طبی، ثقافتی، مذہبی لسانیات سمیت کئی دیگر حوالوں سے الفاظ اور آواز کا سائنسی مطالعہ ممکن ہے۔ توضیحی لسانیات کو معروف عناصر میں اس طرح جانچا جاتا ہے۔

صوتیات (Phonetics☹) انسان کے عضلات تنفس اور پھیپھڑوں کی حرکیات صوتیات کی ذیل میں شمار ہوتی ہیں۔ حلق، منہ، گلے اور انفی راستوں سے گزر کر ہوا میں تحلیل ہونے والی لہریں صوتیات کے زمرے میں آتی ہیں۔ ماہرین لسانیات صوتیات کی پرکھ کو علم لسانیات کی کنجی بھی کہتے ہیں۔ صوتیاتی عمل اپنے تین عناصر نظام تنفس، نظام صوت اور نظامِ تلفظ کی بدولت آوازوں کی پیدائش کا یہ کام انجام دیتا ہے۔ صوتیات کا دائرہ کار انسانی تکلم میں رائج آواز، اصوات ہیں۔ ان کی اولین خوبی ترکیبی موضوع ہونا ہے۔ تکلمی تحقیقی طریق میں دو اجزاء تلفظ کا مطالعہ اور عصبی تفاعل کا مطالعہ شامل ہوتا ہے۔ جس میں آلات صوت کی حرکیات پر توجہ دی جاتی ہے۔ جو تلفظ کی ادائی میں شامل ہوتے ہیں۔ جبکہ عصبی تفاعل میں احکامات کی عصبی لسانی تشکیل سے اس کے تلفیظی عضلاتی نظام کو جانچا جاتا ہے۔ مخصوص زبان کی اصوات کا مطالعہ فونولوجیکل (Phonological) کہلاتا ہے۔ اس کی اکائی کو صوتیہ Phoneme کہتے ہیں۔ صوتیات کے مباحث میں زبان میں موجود غنائیت، لفظوں کے درمیان اکہرے اور جوڑی دار تعلقات، حروف علت سمیت اعراب اور طویل و خفیف حرکات کا مطالعہ، اس عمل میں شمار کیا جاتا ہے۔ آلات صوت انسان کے چہرے، منہ، جبڑے، دانتوں، زبان، حلقوم اور غشائی پردوں کی متفرق ہیتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن کی شناخت اس طرح بھی ممکن ہے۔

1۔ ہونٹ 2۔ دانت 3۔ مسوڑھے 4۔ سخت تالو (تالو کا درمیانی حصہ) 5۔ نرم تالو (تالو کا پچھلا حصہ) 6۔ نوکِ زبان 7۔ زبان کا پھل 8۔ زبان کا اگلا حصہ 9۔ زبان کا درمیانی حصہ 10۔ زبان کا پچھلا حصہ 11۔ لہات (کوّا) 12۔ ناک کا راستہ 13۔ حلقوم 14۔ غشائی پردوں کی ساخت۔ 15۔ تالو کی دو اطراف 16_ ہوا کا دباو بنانے والے عضلات جیسے پھیپھڑے اور سانس کی نالیاں وغیرہ۔ صوتیات کے حوالے سے خلیل صدیقی لکھتے ہیں:-

> "صوتیات، تکلمی آوازوں یا اصوات (Articulated Sounds or Phones) کے سائنسی مطالعہ کا نام ہے۔ اس کے مستنبط اور منضبط اصولوں کا اطلاق تمام زبانوں پر کیا جاسکتا ہے۔ اس میں اجزائے آواز یا وضع اصوات سے بھی بحث کی جاتی ہے اور آوازوں یا اصوات کی ماہیت، نوعیت، صفات اور کیفیات سے بھی۔ وضع اصوات کے ذیل میں مخارج یا "جوفِ دہن" یا منہ کے اندر خلا کے وہ مقامات بھی آجاتے ہیں جہاں سے انہیں ادا کیا جاتا ہے" (14)

ڈاکٹر گیان چند جین اس عمل کے ایک خاص حصے کے لیے "مصوتے" کی ترکیب بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان کے بقول "مصوتوں کی ادائیگی میں پھیپھڑوں سے خارج ہونے والی ہوا صوتی تاروں کے تنگ کوچے سے رگڑ کھاتی ہوئی نکلتی ہے اور اس کے بعد خلائے حلق یا منہ میں کہیں کہیں رکاوٹ یا رگڑ سے دوچار نہیں ہوتی۔ مصوتوں کی تفریق ذیل کے تین امور پر مبنی ہے۔

(1) زبان کے اگلے، وسطی اور پچھلے حصوں میں سے کون سا اوپر اٹھتا ہے۔

(2) یہ حصہ کس قدر اوپر اٹھتا ہے اور کس قدر کھلتا ہے۔

(3) ہونٹ مدور ہو جاتے ہیں یا کشیدہ رہتے ہیں۔ زبان کے اگلے حصے سے ادا ہونے والے مصوتے کو اگلا مصوتہ، درمیان کے حصے سے ادا ہونے والے مصوتوں کو وسطی اور پچھلے حصے سے ادا ہونے والے مصوتات کو پچھلا مصوتہ کہہ سکتے ہیں" (15)

گیان چند جین کے مندرجہ بالا استدلال سے علم لسانیات کے کسی بھی طالب علم کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ زبان کے روائتی مطالعات اور سائنسی مطالعے میں تفریق کی نوعیت کیا ہے۔ اردو زبان کو ہی لے لیں تو کوئی بھی روائتی ماہر زبان اردو الفاظ کی ادائی اور اس کے حروف و جملوں کی ساختی بندش میں اس نوعیت کے مطالعات کا روادار نہیں ہوتا۔ جس اصول پر لسانیات زبان کی تحقیق راہ نمائی کرتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ اردو زبان کے آغاز و ارتقاء بارے ماہرین تاریخ زبان کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کوئی اردو کو پنجابی سے جوڑتا ہے۔ تو کوئی سندھی اور سرائیکی سے، کسی کے مطابق اردو کا تعلق ہند کو کے ساتھ ہے۔ تو کوئی اس کی جڑیں دکن میں نشان زد کرتا ہے اور سب کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں، جواز ہیں مگر ان کی بنیاد سائنسی نہیں بلکہ قیاسی ہے۔ ایک دوسرے کی تردید پر استوار یہ دلائل ایک دوسرے کی تجربی صداقت کو باطل قرار دیتے ہیں۔ لسانیاتی تحقیق میں صوت کی بنیاد پر زبان کی آوازوں، لہجوں، لفظ ادائی کے طریقوں اور نحو و لغت کے سارے عوامل کی سائنسی توجیہات کی بنیاد پر بولے گئے الفاظ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ لہذا اس سے حاصل شدہ نتائج زبان کے روائتی مطالعاتی نتائج سے مختلف ہوتے ہیں۔ کسی بھی محقق کو علم لسانیات کے باب میں اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔

زبان اپنی مرکزی ساخت میں آوازوں / اصوات کا علامتی اور تصوراتی نظام ہے۔ انسانی ذہن کا خاصا ہے۔ کہ وہ مختلف قسم کی آوازوں کی شناخت اور ادائی کی غیر معمولی قوت کا حامل ہوتا ہے۔ ایک صوت دوسری اصوات کے باہمی ادغام سے زبانوں کو جنم دیتی ہے۔ انسان کے براہ راست عمل دخل کی وجہ سے صوتیات کو لسانیات کا وہ علمی شعبہ سمجھا جاتا ہے۔ جس میں انسانی اعضائے تکلم سے پیدا ہونے والی ایسی آوازوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جن کا برمحل استعمال مختلف زبانوں میں یکساں طریق پر ہوتا ہے۔ اس مطالعے میں آوازوں کی تشکیل، ادائی، ترسیل، نیز آوازوں کی اُن کے مخارج اور دیگر اعتبار سے بھی درجہ بندی بھی کی جاتی ہے۔ "زبان کے اجزائے ترکیبی میں صوتی عنصر کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کی بدولت وہ اظہار و ابلاغ کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ

تحریری نظاموں کے ارتقاء اور چھاپہ خانے کی ایجاد نے تحریر کو اظہار و ابلاغ کا موثر ذریعہ بنادیا ہے۔ لیکن تحریری نظام کے وجود میں آنے سے سالہا سال تک بول چال ہی یہ حق کسی نہ کسی درجہ تک ادا کرتی رہی تھی۔ اب بھی کچھ پسماندہ قومیں ایسی زبانیں بولتی ہیں جن کا کوئی رسم الخط نہیں ہے۔ یہ زبانیں اعلیٰ اور ترقی یافتہ تہذیبوں کی مظہر نہ سہی، وضع اصوات اور آوازوں کی کیفیات، تالیف و ترکیب کے لحاظ سے ترقی یافتہ زبانوں سے بہت زیادہ مختلف نہیں(16)

یہ وہ مرکزی نکتہ ہے جس کی بنیاد پر چومسکی تمام دنیا کی زبانوں کو یک خاندانی قرار دیتا ہے کہ تمام دنیا کے بولنے والوں کے پاس آلات صوت کی ساخت اور عملی مشق کا نظام ایک جیسا ہے۔ بولی اور زبان لسانیات کے لیے برابر اہم اور قابل تحقیق مواد ہیں۔ ان دونوں کی تشکیل میں اصوات ہی بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ اصوات کے باہمی روابط میں تکلم، سماعت اور کلام کا واقع ہونا لازم ہے۔ اسی تعامل کی خاص ترتیب سے زبان کی تشکیل ہوتی ہے۔ مصنف عمومی لسانیات ڈاکٹر عبدالسلام صوتیاتی تحقیق کے لیے تین مراحل بیان کرتے ہیں۔ یہ مراحل اطلاقی پہلوؤں سے صوت کے اجزا کا تحقیقی جائزہ پیش کرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ جن کو کچھ یوں بیان کیا گیا ہے۔

"صوتیات میں تکلم کا مطالعہ تین نقطہ ہائے نظر سے کیا جا سکتا ہے:-

1۔ اس کا مطالعہ تکلم کی خاطر عمل پیرا ہونے والے آلات تلفظ اور ان کے مختلف مرحلوں کے رشتے سے کیا جا سکتا ہے۔ اسے تلفظی صوتیات (Articulatory Phonetics) کہتے ہیں۔

2۔ اس کا مطالعہ صوتی لہروں اور ان کی ترسیل کے رشتے سے کیا جا سکتا ہے۔ اسے سمعیاتی صوتیات (Acousti/Acoustic Phonetics) کہا جاتا ہے۔

3۔ صوتی لہروں کو کانوں میں وصول یابی، آلات سماعت کی عضویات (Physiology) کا مطالعہ سائنسی بنیاد پر کیا جاتا ہے یا کیا جا سکتا ہے۔ اسے سمعی صوتیات (Auditory Phonetics) کہا جاتا ہے۔(17)

صوتیاتی مطالعہ میں یہ تینوں مراحل بھی سائنسی تنظیم پر بنیاد ہیں۔ جنہیں تکلم مرکز آلاتِ تلفظ، لہروں کے ارتعاش سے وقوع پذیر سمعیاتی صوت، صوتی لہروں کا آلاتِ سماعت کے اجزاء سے مطالعہ کرنا جبکہ تیسرا مرحلہ پر براہ راست علم طب سے پیوست ہے۔ جس کی وجہ سے اسے ادبی لسانیات کے اصولوں میں مرکزی اہمیت نہیں دی جاتی۔ سمعی صوتیات میں وہ اصوات شامل ہیں جن کی ساعت، ان کے رائج نظام پر یا بگڑی ہوئی حالت میں ہوتی ہے۔ جبکہ تلفیظی صوتیات میں الفاظ کی ادائی کے مراحل سے گذرتے ہوئے اصوات میں برپا ہونے والے امتیازات کو شناخت کیا جا سکتا ہے۔ تلفظ کی بنیاد بولی کی شکل میں زیادہ واضح اور بامعنی ہوتی ہے۔ تحریری حالت میں اردو ایسی زبانیں اضافی علامتوں (زیر، زبر۔ پیش، کھڑی زبر وغیرہ) کی پابندی سے عدم توجہ برتنے کے سبب سے تلفظ کے واضح معیار قائم کرنے میں سست

دکھائی دیتی ہیں، تلفظ جملے کے سیاق سے طے کیا جاتا ہے۔ جس کا صد فیصد درست ہونا ضروری نہیں۔اس حوالے سے ادب و زبان کا ہر طالب علم آگاہ ہے کہ کسی بھی زبان کے تلفظ کی ذیل میں کئی طرح کے افتراقات اور مباحث پائے جاتے ہیں۔ علم لسانیات ان تضادات کو گرامر، تلفظ یا تحریر کی شکل میں دیکھنے پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ اس کے دیگر عناصر جیسے صوت، تجز صوت، مصوتوں، صرف، نحو، قواعد اور سمعیاتی اُمور پر توجہ دے گا۔

2۔فونیمات(Phonemes☹)

فونیم اور فونیمیات کو مختلف ماہرین لسانیات نے مختلف متبادلات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ڈاکٹر خلیل صدیقی اس کا اردو متبادل "صوتیہ" کو قرار دیتے ہیں۔ گیان چند فونیم / فونیمیات کا متبادل "تجز صوت" جبکہ ڈاکٹر عبد السلام اس اصطلاح کو "صوتیائیات" کی صورت میں واضح کرتے ہیں۔ علم لسانیات کا وہ حصہ ہے جو کسی زبان میں آنے والی اہم اور تفاعلی آوازوں / اصوات کے حوالے سے تحقیقات کرتا ہے، صوتیہ کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔ صوتیہ کی تعریف کے حوالے سے خلیل صدیقی لکھتے ہیں:-

"صوتیات عام نطقِ انسانی کی وضع کردہ اصوات کے ادا، ترسیل اور موصولی کو اپنے دامن میں لپیٹ لیتی ہے۔اس کے پیش نظر کوئی مخصوص زبان نہیں ہوتی یہ ضرور ہے کہ وہ کسی ایک یا زیادہ زبانوں کو بنیاد بنا ک، دوسری زبانوں میں متوازی مثالیں دیکھتی ہیں۔ معلومہ زبانوں میں واقعی ادا ہونے والی اصوات پر نظر رکھتی ہے۔ ان کے طریق ادا اور مخارج کا تجزیہ کر کے تعیم کرتی ہے۔ اسی لیے اس کا اطلاق کم و بیش تمام انسانی زبانوں پر کیا جاتا ہے"(18)

جے لائنس تاکید کرتا ہے کہ صوتیات اور تجز صوتیات کی تاویل میں امتیاز برتنا چاہیے۔ مخصوص زبان میں مستعمل اصوات کی تعداد میں تفریق ہو سکتی ہے۔ لیکن تجز صوتیات کا معاملہ ایسا نہیں بلکہ فونیمیات کی تعداد محدود اور معین ہوتی ہے۔ صوتئے کو حاصل کرنے کے لیے ایسے اقلی جوڑے مرتب کیے جاتے ہیں۔ جن میں ایک صوتی جوڑے کا فرق ہوتا ہے۔ مثلاً پان اور بان میں درمیانی اور اختتامی صوتی ٹکڑے یکساں ہیں۔ صرف ابتدائی صوتی ٹکڑے کا فرق ہے اور اسی فرق کی بنا پر معنی میں فرق پیدا ہوتا ہے۔ اردو میں صوتئے کے حوالے سے ڈاکٹر عبد السلام کا خیال ہے کہ:-

"اردو جیسی زبانوں کے صوتئے کو Family of Sounds کہنے کی نہ صرف ضرورت نہیں بلکہ ایسا کہنا غلط ہے۔ ہمارے لیے صوتئے کی تعریف متعین کرنے کی راہ میں وہ الجھنیں نہیں ہیں جو انگریزی جیسی زبانوں میں درپیش ہوتی ہیں۔ اردو میں صوتیہ اس صوت کو قرار دیا جائے گا جو اس کی امتیازی صوت ہو اور زبان کی دیگر اصوات کے ساتھ تقابل کر سکے یعنی ان کی جگہ پر استعمال ہو کر معنی میں فرق پیدا کر سکے"(19)

اردو میں صوتیئے کی یہ امتیازی خصوصیت اسے دیگر کئی زبانوں سے مختلف بناتی ہے۔ یہ آواز کی تخریج کا سائنسی عمل ہے جس میں خاص زبان نیں شامل دیگر زبانوں کے الفاظ کی گنجائش کے علاوہ زبان بولنے والوں کی جسمانی تربیت بھی شامل ہے اس طرح صوتیہ اپنی ذات میں مکمل تلفظ، زبان کی اداشدہ شکل ہے۔ جس میں لسانی محقق پہلے سے متعین صوت کی بجائے اسی صوت کے نئے امکانات کا کھوج لگائے گا۔ ان کی اردو میں مجموعی تعداد بارے ماہرین لسانیات کے درمیان اتفاق رائے نہیں۔ بعض ماہرین لسانیات اردو میں صوتیائیات کی تعداد (58) بتاتے ہیں جبکہ بعض (48) جبکہ بعض کے خیال میں اردو میں ان کی کل تعداد (44) ہے۔ تجز صوتیات کے مطالعے کے تین اہم طریق بیان کیے جاتے ہیں (phonemic) صوتیاتی، (prosodic) عروضیاتی، (distinctive features) امتیازی خصائص۔ اس بحث کو تفصیلی حوالے سے سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیجیے: 1۔ عمومی لسانیات ڈاکٹر عبد السلام 2۔ اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو از: گوپی چند نارنگ 3۔ خلیل احمد بیگ از: اردو زبان کی تاریخ 4۔ اردو لسانیات کی تاریخ از درخشاں زریں 5۔ کشاف اصطلاحات لسانیات از ڈاکٹر الہیٰ بخش اختر اعوان۔

3۔ صرفیات (Morphology☹) صرفیات کو اردو کی تکلمی اور تحریری صورت میں مارفیمیات کے طور پر بھی تحریر میں لایا جاتا ہے جو قواعد ہی کی ایک صورت ہے۔ الفاظ کی ساخت اور ان کے تفاعل کا اور پھر فقروں، جملوں کی ساخت اور ان کے تفاعل کا مطالعہ قواعد کے تحت کیا جاتا ہے۔ صوتیات کے بعد قواعد ہی لسانیات کی اہم ترین شاخ ہیں۔ قواعد میں لفظ اور اس کی ساخت سے بحث کی جاتی ہے۔ جبکہ نحو میں مرکبات کو مرکز تحقیق بنایا جاتا ہے۔ مرکب کی مختلف حالتوں جیسے مرکب ناقص، مرکب تام کی بحث نحویات کے زمرے میں آئے گی۔ نحو اقلی اکائی نہیں بن سکتی کیونکہ یہ مرکب، دو یا دو سے زیادہ الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے۔ صرف اقلی جزو ہوتا ہے۔ جسے بعض ماہر لسانیات "صرفیہ" بھی کہتے ہیں۔

اس طرز تجزیہ میں الفاظ کی ساخت، ان کے تشکیلی اصول و قواعد اور ان کے مصرف سے بحث کی جاتی ہے۔ اس عمل میں لفظ کے معنی سے رجوع نہیں کیا جاتا۔ اس اعتبار سے بھی طالب علم لسانیات اور زبان کے روائتی مطالعات میں فرق کو سمجھ سکتے کہ روائتی نظام قواعد میں صرف و نحو دونوں عوامل شامل رہتے ہیں جبکہ لسانیات ان کو دو کو امتیازی حیثیتوں میں جانچنے کا عمل ہے۔ زبان کی چھوٹی سے چھوٹی بامعنی اکائیاں جیسے الفاظ کی تذکیر و تانیث، ان کی تعداد، حالات و کیفیات زمانہ اور اضداد کا مطالعہ بھی اسی طرزِ تحقیق میں شامل کیا جاتا ہے۔ اپنی روائتی ساختی نوعیت میں یہ مطالعات صرف و نحو کی طرح قواعد کے اجزاء سے مربوط ہوتے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں پر دیگر ماہرین لسانیات اور ڈیوڈ کرسٹل کی فکریات میں تضاد کی بات کی جاسکتی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ تضاد نہیں۔ معمولی غور و فکر پر معلوم ہو جاتا ہے کہ گرامر دراصل اپنی ساختی نوعیت میں الفاظ، جملوں اور مرکبات "زبان پر اجارہ" رکھنے والے افراد کی طرف سے ساختہ اصولوں کا نام

ہے۔ جس میں اصوات یا تجز صوتیات کے بجائے اُن امور پر تکیہ کیا جاتا ہے جو اہل زبان کی طرف سے بیان کردہ ہوں۔ اسی حوالے سے الطاف حسین حالی کے مباحث بحوالہ "روزمرہ اور محاورہ" دیکھے جاسکتے ہیں جن کا غالب حصہ "مقدمہ شعر و شاعری" میں شامل ہے۔ اس کے برعکس صرفیات میں صرف و نحو کے اہل زبان کی طرف سے مرتبہ قوانین کو سائنسی دلائل یعنی ان کی اشکال، غنا، اصوات، مصوتوں اور دیگر عناصر کے حوالے سے دیکھا جائے گا۔ اس تحقیق میں جغرافیائی اور زمانی تفریق کی بنیاد پر زبان میں رائج تلفظی اور تحریری تفرق کو سمجھنے کی کوشش کی جاسکتی۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں(20)

زبان خواہ کوئی بھی ہو جملے کی ساخت، املاء، تلفظ علامت و استعارہ کے مبحث میں حتمی قواعد کی حامل نہیں ہوتی۔ عمومی مباحث میں علم البدیع اور علم البیان کو قواعد کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے۔ باوجود اس کے کہ اجزائے علم البیان اور علم البدیع خواہ شعری متون میں پائے جائیں یا نثری تحاریر میں۔ ان کا تعلق قواعد کے نظام سے نہیں ہوتا۔ لفظ کی ساخت، تشکیل اور اس کے متفرق تفاعل، جملوں کی ساخت اور تشکیل اور ان کے تعاملات کا تجزیہ قواعد کی ذیل میں آتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی رائے دیکھیں، جس کو مغربی ماہرین لسانیات سے مستعار لیا گیا ہے:-

"ہیتی قواعد سے ایسی قواعد مراد ہے جو نظریئے اور طریق کار دونوں اعتبار سے مکمل طور پر جملوں اور ملفوظات کے اجزاء کی قابل مشاہدہ ہیتوں اور ساختیاتی(Structural) تفاعل سے تعلق رکھتی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیتی قواعد اجزائے کلام جیسی اصطلاحات کی آفاقیت کے بارے میں مفروضے قائم نہیں کرتی۔ یہ ہر زبان کی ساخت کو اسی زبان کے حوالے سے بیان کرنے کا دعوی کرتی ہے صوتیات کے بعد قواعد ہی زبان کی اہم ترین شاخ ہے"(21)

صرفیات کی عام طور پر دو شاخیں ہوتی ہیں۔ آزاد صرفیات اور پابند صرفیات۔ آزاد صرفیات ان صرفیات کو کہا جاتا ہے۔ جو اکیلے استعمال ہو سکیں۔ جیسے "بے دین" میں 'دین' اکیلا بھی بامعنی شمار ہوتا ہے یا "بے ہوش، بے چین" میں بھی 'ہوش، چین' اکیلے استعمال ہو سکتے ہیں۔ جبکہ 'بے' اکیلا استعمال کے قابل نہیں۔ اسے اپنی تکمیل کے لیے دیگر حروف درکار ہیں لہذا 'بے' پابند صرف جبکہ ہوش، دین، چین آزاد صرفیات کی ذیل میں آتے ہیں۔ آزاد صرفیات اپنی نوعیت میں لفظ کی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں اور لفظ ایک ہی صرف پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس لیے اسے 'یک صرفی لفظ' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی صوتی شکل کو "صرفی شکل" کہتے ہیں۔ صرف کے تفصیلی مطالعے کے لیے ماہرین لسانیات نے کئی امور پیش کیے ہیں، جن میں سے ان تین کا دھیان میں رکھنا مفید ثابت ہوتا ہے۔

1۔ صرفی ساخت کی بنیادی اکائیوں کی تلاش اور ان کے مابین رشتوں کا کھوج؟

2۔ جملے کی فونولوجیکل(Phonological) ساخت سے ان اکائیوں کو کس طرح اخذ کیا جاسکتا ہے؟

3۔ کسی بھی تخصیصی زبان کے صرفی تجزیے کی کیا شرائط ہیں؟۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیں 1۔ عمومی لسانیات از ڈاکٹر عبد السلام، 2۔ عام لسانیات از ڈاکٹر گیان چند جین، 3۔ الفاظ شناسی از خلیل صدیقی۔

4۔ نحویات (☹Syntax) جدید لسانیات میں نحو کا موضوع جملہ اور اس کے اجزاء کو قرار دیا جاتا ہے لسانی تحقیقات میں یہ عمومی اور روائیتی طرز مطالعہ سے ہٹ کر نتائج کی تسوید کرتا ہے۔ جملہ آزاد لسانی تشکیل ہے۔ جو قواعدی ساخت کی بنیاد پر کسی بڑے لسانی ساختے کا جزو نہیں۔

الفاظ کی مخصوص اور بامعنی ترتیب کو نحو کہا جاتا ہے۔ جسے عرف عام میں مرکبات بھی کہتے ہیں۔ نحو (Syntax) مرکبات سے بحث کرتی ہے۔ یہ اصولوں کی ساخت ہے جن کے تحت حرفوں کے باہمی اتصال سے فقرے ترتیب دیے جاتے ہیں اور پھر ان فقروں کی ترتیب خاص سے جملوں کو ساخت کیا جاتا ہے۔ جملہ وضع کرنے کے لیے الفاظ کے باہم اتصال کے اسباب سے واقفیت لازم ہے کہ الفاظ کے مابین رشتوں سے عدم آگاہی کی وجہ سے جملے کی ساخت میں رکاوٹ یا خرابی کا احتمال رہتا ہے۔ زبان کے تعاملات میں تین طرح کے نحوی روابط کی موجودی کا قوی امکان ہوتا ہے۔

1۔ مقام استعمال کے روابط

Positional relations

2۔ ہم واقعاتی روابط

Relations of co.occurrence

3۔ قائم مقامی روابط

Relations of substitutability

پہلے مرحلے پر بیان نحوی تعلق کے اپنے اصول ہوتے ہیں۔ آیا کسی جملے میں اسم، فعل، حرف کن کن مقامات پر اور کیسے کیسے استعمال ہوں گے۔ جملے کی بنت میں فعل، فاعل اور مفعول کی نشست و برخاست کی ترتیب کیا ہو گی؟ اگر جملہ اسمیہ ہے تو اسم صفت اور موصوف کن مقامات پر استعمال ہوں گے؟ اصول مطابقت یا متعلقات فعل کن مقامات پر اور کیسے کیسے استعمال میں لائے جائیں گے؟ دوسرے تعلق یعنی ہم وقوعی روابط کا دائرہ عمل نسبتاً وسیع ہوتا ہے۔ اسم صفت اور موصوف کے باب میں یہ معلوم ہونا کافی نہیں کہ صفت موصوف سے اول استعمال میں لائی جائے گی۔ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ ہر موصوف اور صفت کا ملواں استعمال ممکن نہیں۔ جیسے جھوٹا شخص تو کہا جا سکتا ہے۔ جھوٹا دروازہ، جھوٹی کرسی، لائق تختہ سیاہ، حاضر جواب موٹر سائیکل، ہوشیار راستہ وغیرہ نہیں۔ اسی طرح فعلِ مخصوص کا رشتہ کس اسم

فاعل کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے۔ جیسے شائلہ سو رہی ہے۔ درست استعمال ہے جبکہ چھت سو رہی ہے، صوفہ سو رہا ہے، سڑک دیکھ رہی ہے، فرش سسک رہا ہے وغیرہ درست باہمی روابط نہیں تخلیقی زبان خواہ وہ شعری حالت میں ہو یا فکشن کی صورت میں، اس پر اس اصول کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ وہاں لفظ استعارے اور علامت کی حیثیت سے استعمال ہوتے ہیں۔ جس میں زبان کے خصوصی روابط کو استعمال میں لایا جاتا ہے اور لفظ اور معنی کے درمیان رشتے کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ تیسری طرح کے تعلقات میں ایک لفظی جماعت کی جگہ متبادل لفظ استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ جیسے ایک اسم کے مقام پر دوسرا اسم اور ایک فعل کے مقام پر دوسرا فعل جوں کا توں بیان میں لایا جاسکتا ہے۔ یہی ذمہ داری ایک سے زائد الفاظ پر استوار جملہ اسمیہ بھی انجام دے سکتا ہے۔ مثلاً

1۔ شائلہ گھر میں داخل ہوئی۔

2۔ قاسم کی بہن گھر میں داخل ہوئی۔

3۔ کاشف کا بھائی اور بہن گھر میں داخل ہوئے۔

4۔ عثمان کے بڑے بھائی اور بہن گھر میں داخل ہوئے۔

پہلے جملے میں شائلہ فاعل کی حیثیت سے جملے میں استعمال ہوئی ہے۔ جبکہ دیگر تین جملوں میں کیفیات بدل جاتی ہیں۔ باوجود اس کے کہ جملہ اسمیہ ہی رہتا ہے۔ تو گویا کسی زبان میں حروف سے متشکل الفاظ اور پھر الفاظ کی باہمی تشکیل سے قائم جملوں کی رائج ساخت، ان جملوں میں الفاظ کے دروبست سے مرکبات کا تحقیقی مطالعہ تاریخی اور دیگر سائنسی دلائل پر کیا جانا، نحویات کے زمرے میں آتا ہے۔ مثلاً (از فرنے کتاب پڑھی)۔ یہ اردو نحو کے اعتبار سے الفاظ کی صحیح ترتیب ہے۔ اگر اس کے بدلے یوں کہا جائے کہ (پڑھی کتاب نے از فر) تو اس حالت میں جملے میں بیان کردہ معنی کا ابلاغ پیچیدگی کا شکار ہو جائے گا۔ یہ بات دھیان میں رہے کہ زبان میں رائج یہ ترتیب لغت اور اہل زبان کی دین ہے۔ جس سے ماہر لسانیات کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ماہر لسانیات جملوں کی ان دو تراکیب کے مابین معنوی اور ساختی افتراق کا مطالعہ صوتی، غنائی اور دیگر لسانی اصولوں پر بھی کر سکتا ہے۔ رائج صرفی قوانین کی رو سے صرفیات و نحویات کے باہمی ادغام سے ہی زبان کے قواعدی نظام کو تشکیل دیا جاتا ہے۔ جو اپنی مجموعی ترکیب میں بامعنی جملے، مرکبات تشکیل دیتے ہیں۔

5۔ معنیات (☹Sementics) علم لسانیات کی رو سے الفاظ اور جملے کے معنی، مفہوم اور معنی کے متعلقات کا مطالعہ معنیات کی ذیل میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ ان تفہیمی تصورات کا زبان کے مجموعی ڈھانچے پر کیا اثر پڑتا ہے۔ لفظ اور معنی کے درمیان روابط کی کون سی صورتیں ہیں۔ یہ تعلق زبان اور معنی کے باب میں استدلالی ہے یا علامتی؟ ان سب حقائق کا کھوج علمِ معنیات سے لگایا جاتا ہے۔ سادہ ترین الفاظ میں معنیات کا تعلق معنی کے مطالعہ سے ہے۔ یوں ایک طرف یہ علم معانی سے ربط باہم مربوط کرتا ہے۔ تو دوسری

جانب علم لغت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ یہ الفاظ کے پہلے سے طے شدہ معنی کی دیگر جہات کا پیش کار ہے۔ لسانی تحقیق کار اس عمل میں روائتی معنی کے علاوہ ایک یا ایک سے زیادہ معنی سامنے لائے گا۔ علم لسانیات کی اصطلاحات پر اہم کتاب "کشاف اصطلاحات لسانیات" میں ڈاکٹر الہیٰ بخش اختر اعوان لکھتے ہیں:-

"لسانیات کا وہ شعبہ جو معانی پر بحث کرتا ہے یعنی جو حوالے اور محول کے تعلق کو زیر غور لاتا ہے اور ان محولات (الفاظ یا لسانی علامات) کے معانی کی تاریخ اور ان میں آنے والی تبدیلیوں کا تجزیہ کرتا ہے"(22)

معنیات کا لسانیاتی مطالعہ بھی قواعد کی طرح تردید و تائید کے ڈسکورس میں شامل رہا ہے۔ جس کی ایک بڑی وجہ یہ شمار کی جاسکتی ہے کہ علم لسانیات میں ابھی بہت سے کام ہونا باقی ہیں۔ جس سے اس کی وسعت اور سمت نمائی دونوں پر مزید اثرات مرتب ہوں گے۔ معنیات کے حوالے سے ڈیوڈ کرسٹل کا خیال ہے کہ:-

"معنیات وہ علم ہے جو معنی یا لسانیاتی فارموں کے معنیوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس علم میں سب سے پہلے یہ بتایا جاتا ہے کہ ان فارموں میں آپس کا کیا رشتہ ہے، اس کے بعد یہ دیکھا جاتا ہے کہ لسانیاتی فارموں اور خارجی دنیا کے حقیقی مظاہر کے درمیان کیا رشتہ ہے جن کی جانب یہ فارمیں اشارہ کرتی ہیں۔ گویا معنیات کو اسماء اور اشیا کے درمیان رابطے کا علم بھی کہا جاسکتا ہے"(23)

مندرجہ بالا تشریح میں فارم کی ترکیب ہیت کے مفہوم میں استعمال کی گئی ہے۔ جو الفاظ کی اشکال کا بیان ہے۔ لفظ اپنی فارم میں ایک خاص ہیت پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس کے ساتھ اس کے معنی کا رشتہ بھی استوار ہوتا ہے۔ معنیات کے مباحث اپنی نہاد میں اس قدر وسعت آمیز اور متنوع ہیں کہ ان کے باب میں کوئی سکہ بند نظریہ پیش کرنا ممکن ہی دکھائی نہیں دیتا۔ روائیتی قواعد کے نظام میں لفظ کو نحو اور معنی کی بنیادی اکائی سمجھا جاتا ہے۔ لفظ اپنے تفاعل میں ایک نشان ہے۔ جو اپنی ہیت، شباہت، شکل اور معنی ایسے اجزاء کا حامل رہتا ہے۔ معنیات بیک وقت علم لسانیات اور علم بشریات کے دائرہ کار میں شامل ہے۔ زبان کا ہر لفظ ایک معنی رکھتا ہے۔ لسانی مطالعات میں معنیات کا تعلق ساختیاتی لسانیات کے ساتھ گہرا ہے۔ روائتی قواعد کی رو سے لفظ کو نحو اور معنی کی مرکزی اکائی تصور کیا جاتا ہے۔ جس میں لفظ کے معنی خاص شباہت کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ معنی اور معنی نما کے تصورات اسی تفاعل سے کشیدہ ہیں۔ شباہت کے اسی تصور کو ساختی لسانیات میں 'نشان' کے طور پر لیا جاتا ہے۔ جو اپنی آزاد حالت میں معنی کے ثقافتی اور تصوراتی فلسفے کا پیش کار ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ معنی کا کھوج لغت کے سہارے لگایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ لغت میں معنی کی حدود غیر متعین ہوتی ہیں، کیونکہ لغت نگار تدوین لغت میں لفظ اور اس کے معنی کی سماجی، علمی، ثقافتی سطح پر رائج صورتوں کو قبول کرتا ہے۔ اسی تعامل میں الفاظ کے معنی میں بدلاؤ آتا ہے اور ان کی املاء میں بھی۔ عشرہ بھر سے اردو میں جاری حلیم اور حیم، سوتن اور سوکن، سانچ اور سچ کے مباحث اسی لسانیاتی عمل کی وجہ سے ہیں۔ لفظ زندہ

اور مستعمل حالت میں ارتقائی سفر کے دوران معنی اور املاء کے حوالے سے بدلاو کے عمل سے گذرتا ہے۔خاص طور پر یہ عمل ملواں زبانوں میں ان کی لچک سے فائدہ حاصل کرتے ہوئے ہوتا ہے۔ جس میں الفاظ کو ان کی زیادہ قبولیت والی صورتوں میں رائج کر کے غلط العام کی سند سے نئے معنی پہنائے جاتے ہیں۔اشیاء کے درمیان موجود امتیاز محدود اور متعین نہیں ہوتے۔لہذا ان کے معنی کے اخذ کا سلسلہ بھی غیر محدود اور غیر متعین رہتا ہے۔اس کے برعکس لسانیات صوت اور اس کے متفرق اجزاء کو خاص میزان سے جانچتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کا اطلاق زبان، بولی پر یکساں ہوتا ہے۔

Lingustic An Introduction

کے مصنفین کے خیال میں:-

> Linguistics have developed systems of Phonetic " Transcription in which each sound is represented by symbol and each symbol represents just one sound.Unfortunately, there are several such systems in use........Any sound is a series of vibrations moving through air,water or some other material.To create these vibrations a Sound Source is needed and it comes in various types")24(۔

لسانیات نے صوتیات و تلفظ کا نظام ترتیب دیا ہے۔ جس میں آواز ایک علامت کے تحت پیش کی جاتی ہے۔ جبکہ ہر علامت ایک ہی آواز کی نمائندگی کرتی ہے۔ بدقسمتی سے یہاں ایسے کئی نظام مستعمل ہیں۔ ہر آواز، ہوا، پانی اور کچھ دیگر عوامل کے تحت حرکت پذیر لہروں کا ایک سلسلہ ہے۔ ان لہروں کی تخلیق کے عمل میں ذرائع آواز / صوت کی ضرورت مختلف حوالوں سے ہوتی ہے۔ جن کے مجموعی تفاعل کو جدید لسانیات میں مرکزی اہمیت حاصل ہے۔صوتیات کے زیر مطالعہ تلفظ کی رائج صورت سے علاوہ تمام تلفظ لسانیاتی تحقیق میں شامل ہیں۔یہ امر یوں بھی واضح کیا جا سکتا ہے کہ لسانیات کسی بھی ذہنی، فنی اور تکنیکی صیغہ کا اعتبار بنا تجربی صداقت کے نہیں کرتی۔لسانی اظہار رویوں، اخلاقیات، ارادوں اور انفرادی و اجتماعی خصوصیات کی بنیاد پر نہیں ہو سکتا۔بلکہ یہ سائنسی ڈسکورس ہے۔ جو اپنے مبسُوط نظام سے تشکیل پاتا ہے۔ جس کے تحت لسانی عمل، بولی ہوئی بات یعنی کلام یا تحریر شدہ جملے یعنی تحریر کے تجزیاتی مطالعہ تک پھیلا ہوا ہے۔اس تفاعل میں ماہر لسانیات یا لسانی تحقیق کاروں کے لیے لازم ہے کہ وہ کسی بھی زبان میں صوتی اختلافات کی گروہی تقسیم کے ساتھ یہ بھی ممکن بنائیں

کہ اس زبان پر کن بولیوں، لہجوں یا زبانوں کے اثرات ہیں۔یوں پہلے سے طے شدہ نتائج سے آگے بڑھنے کے امکانات واضح ہوں گے۔نئے نتائج کی تسوید جدید لسانیات کا بنیادی منصب اور وظیفہ ہے۔املاء کے مباحث میں مکتوبی متون کے مطالعہ کے تحت مصنف کی طرف سے اختیار کردہ املاء اور ہجا کا تجزیہ، لسانی تحقیق کار کے مطالعات میں شامل ہے۔صرف کے تحت وہ لفظ کے تشکیلی عناصر سابقوں اور لاحقوں کا جائزہ لیتا ہے۔نحو کی ذیل میں مرکبات، فقروں اور جملوں کی ساختی حالت متعلق صفت وموصوف، مضاف، مضاف الیہ، جملے کی ساختی اور نحوی کیفیات کے مختلف علاقوں کے علاوہ، اسم، صفت وفعل کی تذکیر وتانیث، واحد وجمع وغیرہ میں معیاری زبان سے جو بھی تفریق سامنے آئے، ان سب کا مطالعہ لسانیات کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔یہ علم کئی حوالوں سے وسعت آمیز اور ادبی وعلمی سطح پر مستقبل آفریں ہے۔لسانیات کی مندرجہ بالا صورتوں کے علاوہ اردو کے ناقدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اردو حروف تہجی کی صوتی، غنائی، تلفیظی، صرفی، نحوی ساخت کے مطالعات کے بعد اس ڈسکورس کے سماجی، ثقافتی، نسلی، تہذیبی، جینیاتی، تقابلی، سیاسی، تمدنی عوامل پر بھی غور و فکر کرے۔ان تمام حالتوں اور ایسے دوسرے تعاملات میں زبان کے سروکار ہمہ گیر اور وسعت پذیر رہتے ہیں۔جن کی تفہیم سے انسانی شعور کے نئے مدارج کو تسخیر کیا جا سکتا ہے۔یہ لفظ اور اس کی ہیت کا اعجاز ہے کہ جدید زمانے کا انسان صفر اور ایک (0,1) سے نشانات، علامات اور معنی ومفہوم کے لامحدود در وا کر چکا ہے۔ہاں یہ ضرور ہے کہ ساخت بنی اور ساخت شکنی ایسے بیش تر مباحث فرد اور معاشرے کے درمیان مثالیہ کی تشکیل میں رکاوٹ ہیں۔جس کے وقوع میں سرمایہ دارانہ نفسیات حائل ہے۔اس مادہ پرست اور طبقات کی خالق فکر نے گزشتہ نصف صدی میں اپنی اثر انگیزی کے جوہر نمایاں کیے ہیں اور بین الاقوامی سطح پر مثالیت پرستی کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔لسانیاتی تحقیق کے حوالے سے آج ہماری ضرورت ہے کہ اردو زبان وادب میں نئے علمی ابواب کے در وا کیے جائیں۔لسانی تحقیق کے انگریزی بنیاد متون پر من وعن بھروسہ کرنے کی بجائے اردو حروف تہجی کے صوتی عناصر کو گروہوں میں بانٹ کر، ان کی ادائی کے عمل میں آلات صوت کی تفہیم کو آسان بنایا جائے۔اردو مصوتوں کی متفرق حیثیتوں کو منظر عام پر لانے کے علاوہ ان کے صوتی، غنائی جوڑے بنائے جائیں۔اردو کے لفظی خانے تشکیل دینے کے ساتھ، ان خانوں کی صوتی اور دیگر لسانی خوبیوں کو زیر بحث لایا جائے۔تاکہ اردو کی ملواں خصوصیات سے اردو طبقے مستفید ہونے کے ساتھ مقامی اور عالمی سطح پر اس کے لفظی، صرفی، نحوی، قواعدی جوڑوں سے دیگر لسانیاتی ماہرین بھی آگاہ ہو سکیں۔تاکہ اردو کا مصنف اور قاری جدید علوم کے ساتھ اپنی وابستگی سے عالمی سطح پر جاری مباحث کا مثبت حصہ بن سکے۔

سماجی لسانیات کے توسل سے اردو زبان کا سماجی سیاق اور معاشرتی تفاعل کے پس منظر میں مطالعہ کیا جائے۔اسی علمی تفاعل کو زبان کی سماجیات بھی کہا جاتا ہے۔ماہرین لسانیات کے خیال میں نسلی لسانیات اور سماجی لسانیات میں اسی نوعیت کی وابستگی ہے جو ثقافتی بشریات اور

سماجیات میں باہم مربوط ہوتی ہے۔ نئے نظام حیات میں ثقافتی، بشریاتی لسانیات معاشرتی تہذیب سے واقفیت کا اہم وسیلہ بن سکتی ہے، جس کی خوبی سے اردو خاندان سے وابستہ افراد کو ضرور مستفید ہونا چاہیے۔ اردو کے سماجیاتی لسانی تجزیات سے اس زبان کے تکلمی اور تحریری عناصر کا کھوج معاصر سماجی نفسیات کے تحت لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح لسانیاتی مطالعہ سے اردو زبان کی تکلمی حالت کو مختلف سائنسی امور جیسے صوت، لفظیات، املاء، نحو، صرف، معنی، لغت روزمرہ، محاورہ اور تراکیب کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے تمام اجزاء کو اول صوت مطالعہ اور دوئم صرف و نحو کی ذیل میں لسانی تحقیق کاری کے عمل سے سائنسی استدلال اور تجربی صداقت پر ہر کھا جا سکتا ہے۔ گرامر، معنیات اور لغت کے متفرق سلسلوں کا تعلق بھی صرفی، نحوی، قواعدی حالتوں سے ہوتا ہے۔ جن کی تفہیم و تشریح کے سلسلوں کو جدید سائنسی معروض پر استوار کر کے اردو لسانیات کو نئے امکانات سے روشناس کرانے کی ضرورت ہے۔ آنے والے دنوں میں عالمی رجحانات کے تحت اردو میں لسانیات کو بطور آزاد علمی حیثیت میں قبول کرنا ناگزیر ہو گا۔ جامعات میں لسانیات کے شعبہ جات قائم کیے جائیں گے۔ جن میں ڈاکٹر کی سطح تک رسمی نظام تعلیم کے ذریعے سندی تعلیم کے سلسلے کو جاری کرنا ہو گا۔ لائق تشویش یہ امر ہے کہ ہنوز اردو میں لسانیاتی مباحث اس سطح تک وسعت پذیر نہیں ہو سکے کہ ان کو جدید تعلیمی ضرورتوں اور سائنسی آلات کے طور پر استعمال میں پایا جا سکے جو کہ اردو سے وابستہ ہر سنجیدہ فرد کے لیے خاص امر ہے۔

حوالہ جات

1_ ڈاکٹر اقتدار حسین، لسانیات کے بنیادی اصول، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1985, ص15

2_ خلیل صدیقی، لسانی مباحث، زمرد پبلی کیشنز، کوئٹہ، 1991ء، ص11

3_ ڈیوڈ کرسٹل، لسانیات کیا ہے، مترجم ڈاکٹر نصیر احمد خان، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، 2017
ص24,25

4۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ادبی اصطلاحات کا تعارف، اسلوب، لاہور, 2015ء، ص404

5_ ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ہندوستانی لسانیات، لاہور: مکتبہ معین الادب، 1961ء، ص21

6_ J A Cuddon، Dictionary of literary Terms & Literary Theory, Penguin books,London,1998,p463

7_ڈاکٹر ناصر عباس نیّر، لسانیات اور تنقید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2018ء، ص76

8_ڈاکٹر عبدالسلام، عمومی لسانیات، رائل بک کمپنی، کراچی، 1993ء، ص9، 8

Heanry Allan Gleason،An introduction to descriptive linguistics,by , New York,1955_9

10_ڈاکٹر گیان چند جین، عام لسانیات، فکشن ہاؤس، لاہور، 2018، ص22

George Yule,The Study of Language, (Seventh edition) Cambridge university press _11
Cambridge New York,2010,p184

Andrew Radford, Linguistics An introduction, Cambridge university press, UK,2003,p7_12

13_ڈاکٹر قاضی عابد ،لسانیات کے جدید مباحث، مشمولہ ریسرچ جرنل اردو، شعبہ اردو بہاوالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، شمارہ 31,
2017
,ص147

14_ خلیل صدیقی، آوازشناسی، بیکن بکس، ملتان، 2015ء، ص17

15_ ڈاکٹر گیان چند جین، عام لسانیات، فکشن ہاؤس، لاہور، 2018، ص۲۵

16_ خلیل صدیقی، آوازشناسی، بیکن بکس، ملتان، 2015، ص10

17_ ڈاکٹر عبدالسلام، عمومی لسانیات، رائل بک کمپنی، کراچی، 1993، ص22

18_ خلیل صدیقی، آوازشناسی، بیکن بکس، ملتان، 2015، ص97

19_ ڈاکٹر عبد السلام، عمومی لسانیات، رائل بک کمپنی، کراچی، 1993، ص102، 101

20_ ناوم چومسکی، ریاستی دہشت گردی، مترجم، عامر اعجاز بٹ، جمہوری پبلیکشنز، لاہور، 2003

21_ ڈاکٹر عبد السلام، عمومی لسانیات، رائل بک کمپنی، کراچی، 1993، ص169

22_ ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان، کشاف اصطلاحات لسانیات مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1995ء، ص417

23_ ڈیوڈ کرسٹل، لسانیات کیا ہے، مترجم ڈاکٹر نصیر احمد خان، عبد اللہ اکیڈمی، لاہور، 2017، ص76

24_ Andrew Radford,Lingustics An introduction, Cambridge university

press,UK,2003,P29-30